دسویں صدی ہجری میں اردو شاعری کی روایت کا سراغ

دیوانِ حسن شوقی

مرتبہ

جمیل جالبی

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ۔ کراچی ۱

دسویں صدی ہجری میں اردو شاعری کی روایت کا سراغ

دیوانِ حسن شوقی

مرتبہ

جمیل جالبی

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ۔ کراچی ۱

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو۔ شمارہ ۳۴۹

اشاعتِ اوّل — سنہ ۱۹۷۱ء

طابع — انجمن پریس کراچی

قیمت — [illegible] پندرہ روپے Rs 15/-

فہرست

انتساب

جناب آفسر صدیقی امروہوی کے نام

ع آفاقہا گردیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

برجا ہے اگر جگ میں وؔلی پھر کے دُجے بار
رکھ شوق مرے شعر کا شوقیؔ حسن آوے

(ولی دکنی)

دیوانِ حسن شوقی

مقدمہ

(۱)

اب سے تقریباً چالیس سال پہلے، جولائی ۱۹۲۹ء میں، مولوی عبدالحق مرحوم نے رسالہ "اُردو" میں پہلی بار ایک قدیم شاعر کا تعارف شائع کیا اور اس کے ادبی کارناموں پر روشنی ڈال کر اس کی دو مثنویوں اور تین غزلوں سے اردو داں طبقے کو روشناس کرایا ـــــ شاعر کا نام حسن شوقی تھا۔ اس کے بعد سے آج تک ہر تاریخ و تذکرہ میں اس شاعر کا ذکر کیا جاتا رہا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کی تاریخی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔ ۱۹۵۴ء میں سخاوت مرزا[1] نے رسالہ اُردو کراچی میں حسن شوقی کی تین غزلیں اور دریافت کیں اور ۱۹۶۵ء میں حسینی شاہد[2] نے پانچ غزلیں اور شائع کیں۔ دو سال تک انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانۂ خاص میں قدیم ادب کی تلاش میں مجھے کام کرنے کا اتفاق ہوا۔ قدیم ادب کا اس سے بڑا خزانہ پاکستان میں نہیں ہے اور بہت سے مخطوطات ایسے ہیں جو سوائے انجمن کے دنیا میں اور کہیں نہیں ہیں۔ یہ نادر مخطوطات لسانی و ادبی لحاظ سے بھی ایسے ہیں جن کی اشاعت اردو ادب کی بنیادی ترقی اور ادبی تاریخ کی گمشدہ کڑیوں کو ملانے کے لیے از بس ضروری ہے۔ "دیوانِ حسن شوقی" اسی سلسلے کی پہلی کڑی ہے جس میں "فتح نامہ نظام شاہ"، "میزبانی نامہ سلطان محمد عادل شاہ" کے علاوہ تیس غزلیں، جو قدیم بیاضوں میں اِدھر اُدھر بکھری پڑی تھیں، شامل ہیں، چند غزلوں کو چھوڑ کر باقی سب چیزیں پہلی بار شائع ہو رہی ہیں۔

قدیم ادب کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ہمارے ادب کی جدید روایت کے بیشتر سرے قدیم ادب کے ہاتھ میں ہیں، مثلاً ہم مثنوی کا ذکر کرتے ہیں تو ہماری نظر سحرالبیان اور گلزار نسیم پر جاتی

---

[1] : رسالہ اُردو کراچی اپریل ۱۹۵۴ء ص ۱۴

[2] : قدیم اردو جلد اول مرتبہ مسعود حسین خاں۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن ص ۵۱۲-۵۲۰

ہے اور ہم بھول جاتے ہیں کہ مثنوی کا اصل ارتقا دکن میں ہوا اور ہیئت و فن کے اعتبار سے سحرالبیان اور گلزارِ نسیم قدیم دکنی مثنویوں کے مقابلہ میں کوئی غیر معمولی اضافہ نہیں کرتیں۔ یہ بات واضح ہے کہ میں زبان و بیان کی نہیں بلکہ ہیئت و فن کی بات کر رہا ہوں۔ نصرتی کی رزمیہ مثنوی علی نامہ (۱۰۷۶ھ) فنی اعتبار سے آج بھی دکنی مثنویوں کی سرتاج ہے۔ چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل خاور نامہ رستمی (۱۰۵۰ھ) قصۂ بے نظیر (۱۰۵۵ھ) ہاشمی کی یوسف زلیخا (۱۰۹۹ھ) اس صنعت کی ترقی کی گواہی دے رہی ہیں۔ سودا کے قصیدوں کی روایت کا سراغ بھی ہمیں نصرتی کے قصیدوں ہی میں ملتا ہے۔ غزل کے ابتدائی نقش و نگار دکن کے مختلف شعرا، لطفی، مشتاق، محمود، فیروز اور خیالی کے ہاں بنتے سنورتے نظر آتے ہیں اور حسن شوقی کے ہاں پہلی بار ایک جان ہو کر دکنی غزل ایسے رنگ روپ سے آشنا ہوتی ہے جو نہ صرف منفرد ہے بلکہ جہاں دکنی غزل اپنا مزاج بدلتی، نئے ادبی معیار کی طرف بڑھتی دکھائی دیتی ہے اور پھر شاہی، ہاشمی اور دوسرے چھوٹے بڑے شاعر تائب، سالک، یوسف، قریشی، رحمی وغیرہ سے ہوتی ــــ نئے تہذیبی و سیاسی اثرات کے تحت "ریختہ" بن کر زبان کے نئے ادبی معیار کا بھی نام تھا، ولی دکنی کی غزل میں ابھرتی ہے۔ شمالی ہند میں اردو شعر و ادب کی روایت بھی دکنی ادب ہی کی مرہونِ منت ہے۔ فائز دہلوی اپنے مزاج، اندازِ فکر اور طرزِ ادا کے اعتبار سے ولی دکنی ہی کی پیروی کر رہے ہیں۔ میر جب کہتے ہیں کہ ؎

خوگر نہیں کچھ یوں ہی ہم ریختہ گوئی کے
معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا

یا جب قائم فخر سے اپنی غزل کا مقابلہ دکنی غزل سے کرتے ہیں ؎

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اک بات لچر سی بزبانِ دکنی تھی

تو دونوں اپنی ادبی روایت کے تخلیقی سوتوں کا سراغ دیتے ہیں۔ قدیم ادب میں حسن شوقی روایت کے ایک ایسے درمیانی پل کی حیثیت رکھتا ہے جس پر سے گذرے بغیر ولی کی روایت تک نہیں پہنچا جاسکتا۔

دکن میں بہمنی سلطنت (۱۳۴۷ء — ۱۵۲۷ء) کے زوال کے بعد جب اس کے جسم کے مختلف ٹکڑے الگ الگ ہو گئے اور پانچ سلطنتیں، بیجاپور میں عادل شاہی (۱۴۸۹ – ۱۶۸۶ء) احمد نگر میں نظام شاہی (۱۴۹۰ – ۱۶۳۳ء) گولکنڈہ میں قطب شاہی (۱۵۱۲ – ۱۶۸۷ء) بیدر میں بیدر شاہی (۱۴۸۷ – ۱۶۱۹ء) اور برار میں عماد شاہی (۱۴۸۴ء – ۱۵۷۴ء) کے نام سے وجود میں آگئیں تو ان سلطنتوں کے بادشاہوں نے اپنے دربار سرکار کو بہمنی سلطنت کے طرز پر اسی طرح آراستہ کیا جس طرح مغلوں کے زوال کے بعد اودھ اور دوسری چھوٹی بڑی سلطنتوں نے مغلیہ دربار کے انداز پر اپنے دربار سجائے تھے۔ دکن کی یہ سب سلطنتیں علم و ادب کی قدرداں تھیں لیکن عادل شاہی اور قطب شاہی جنھوں نے دوسری تین شاہیوں کے مقابلہ میں زیادہ عمر پائی، علم و ادب کے بے حد قدرداں تھے اور اردو زبان اُن کی اس قدردانی پر آج تک احسان مند ہے۔ بہمنی سلطنت محمد تغلق (۱۳۲۵ء – ۱۳۵۱ء) کی زندگی ہی میں قائم ہو گئی تھی اور دوسری پانچ سلطنتیں ظہیر الدین بابر کے ہندوستان آنے سے پہلے وجود میں آ چکی تھیں۔ جب نظام شاہی، احمد شاہی اور برید شاہی زوال آمادہ ہوئیں تو یہاں کے اربابِ علم و ہنر بھی بیجاپور و گولکنڈہ چلے آئے۔ ادھر شہنشاہ اکبر کی فتح گجرات کے بعد وہاں کے اہلِ علم و ادب بھی انھی دو سلطنتوں میں تقسیم ہو گئے۔ زوال کے بعد شوقی بھی نظام شاہی سے عادل شاہی سلطنت میں چلا آیا۔ شوقی کا ذکر نہ کسی قدیم تذکرہ میں آتا ہے اور نہ کسی تاریخ میں۔ ہمارے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ اس کی دو مثنویاں اور تین غزلیں ہیں اور انھی کی داخلی شہادتوں کے سہارے ہم اس کے حالاتِ زندگی کے ٹکڑوں کو جوڑ کر دیکھ سکتے ہیں۔

شوقی نے اپنی غزل کے ایک مقطع[۱] میں اپنے نام کا اظہار قافیہ کی ضرورت سے اس طرح کیا ہے ؎

جن یو غزل سنایا جلتیاں کوں پھر جلایا

وہ رندِ لاابالی شوقی حسن کہاں ہے

---

[۱] : بیاض انجمن ترقی اردو کراچی (قلمی)

ابنِ نشاطی نے "پھول بن" (۱۰۶۶ھ) میں شوقی کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

حسن شوقی اگر ہوتے تو فی الحال
ہزاراں بھیجتے رحمت مجہ اپر ال

سید اعظم بیجاپوری نے "فتح جنگ"[۲] ۱۰۸۴ھ میں ضرورتِ قافیہ سے شوقی حسن لکھا ہے۔

سلاست ہیں جیوں شعر شوقی حسن
ہنر فن منیں نصرتی کے بچن

"فتح نامہ نظام شاہ"[۳] کے آخر میں یہ الفاظ ملتے ہیں "مرتب شد فتح نامہ نظام شاہ گفتار حسن شوقی" اور "میزبانی نامہ"[۴] کے ترقیمہ میں "مرتب شد میزبانی نامہ سلطان محمد عادل شاہ گفتار حسن شوقی" کے الفاظ ملتے ہیں۔ ایک اور مخطوطہ[۵] میں "شیخ حسن شوقی مرید آنحضرت تاریخ وصالِ آں قطب دائرۂ کمال را چنیں گفتہ کہ قطب آخر الزماں" کے الفاظ ملتے ہیں۔ ان شواہد کی روشنی میں شیخ حسن نام اور شوقی تخلص ٹھہرتا ہے۔ ان حوالوں سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے زمانے میں مسلم الثبوت استاد کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کے مرنے کے برسوں بعد تک دکن کی ادبی فضاؤں میں اس کا نام گونجتا رہا۔ ابنِ نشاطی نے اس سے اپنے فن کی داد طلب کی۔ سید اعظم نے "فتح جنگ" میں اس کی سلاستِ بیان کی تعریف کی اور نصرتی نے "علی نامہ" کے ایک قصیدہ میں اپنی شاعری کے قد کو حسن شوقی کی شاعری کے قد سے ناپ کر اپنی عظمت کا اظہار کیا۔

دس پانچ بیت اس دھات میں کہے ہیں تو شوقی کیا ہوا
معلوم ہوتا شعر اگر کہتے تو اس بستار کا

"فتح نامہ نظام شاہ" سے اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ حسن شوقی کی زندگی کا زیادہ حصہ

---

[۲]: بیاض انجمن (قلمی) [۳]: بیاض انجمن (قلمی) [۴]: بیاض انجمن (قلمی) [۵]: مخطوطہ کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد دکن بحوالہ سخاوت مرزا، اردو کراچی اپریل ۱۹۵۴ء ص ۱۳

نظام شاہی سلطنت میں گزرا اور جب مغلوں نے ۱۶۰۰ء میں نظام شاہی سلطنت کو فتح کرلیا اور آخرکار ۱۶۳۳ء میں شاہ جہاں کے سپہ سالار مہابت خان نے دولت آباد اور کھڑکی کے قلعے فتح کر کے آخری تاجدار حسین نظام شاہ ثانی (۱۶۳۰ء — ۱۶۳۳ء) کو گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا تو اس سسکتی دم توڑتی سلطنت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا یہ ۱۶۴۳ء (۱۰۴۳ھ) کا واقعہ[1] ہے۔ جنگ تالیکوٹ ۱۵۶۴ء (۹۷۲ھ) کے وقت حسن شوقی نظام شاہی دربار سے وابستہ تھا اور سلطنت کے خاتمہ کے وقت، جب دربار کی سرپرستی ختم ہوتی اور ملک کا جما جمایا نظم درہم برہم ہوا، تو بوڑھا حسن شوقی بھی عادل شاہی سلطنت میں آگیا۔ یہاں اس وقت سلطان محمد عادل شاہ ۱۶۲۶ء (۱۰۳۶ھ) — ۱۶۵۵ء (۱۰۶۷ھ) کا دورِ حکومت تھا۔ علم و ادب اور شعر و شاعری کی فضا سے پُرامن سلطنت منور تھی اور نیک دل بادشاہ کی علم پروری سے بیجاپور جگمگا رہا تھا۔ نظام شاہی دربار سے حسن شوقی کی وابستگی کا پتا دو باتوں سے چلتا ہے۔ ایک تو یہ کہ عادل شاہی سلطنت کی کسی تاریخ میں حسن شوقی کا نام نہیں ملتا۔ دوسرے جنگ تالیکوٹ کی فتح کے موقع پر جس میں علی عادل شاہ اوّل، علی برید شاہ، حسین نظام شاہ اول اور ابراہیم قطب شاہ متحد ہو کر وجیانگر کے راجہ رام راج سے لڑے تھے اور اُسے شکستِ فاش دے کر وجیانگر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تھا، حسن شوقی نے "فتح نامہ جنگ تالیکوٹ" نہیں لکھا بلکہ اُسے "فتح نامۂ نظام شاہ" کا نام دیا جس میں حسین نظام شاہ کو اس جنگ کا اصل ہیرو قرار دیا۔ اگر وہ کسی اور دربار سے وابستہ ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ نظام شاہ کو اصل فاتحِ جنگِ تالیکوٹ قرار دیتا جب کہ اس جنگ میں چاروں بادشاہ برابر کے شریک تھے جن کا ذکر فتح نامہ میں بہت سرسری طور پر آتا ہے۔ پھر اس مثنوی کے زبان و بیان پر بیجاپور کا ادبی اسلوب غالب نہیں ہے بلکہ اس میں فارسی اسلوب و آہنگ کا اثر نمایاں ہے جو بیجاپوری شعراء سے مزاج میں مختلف ہے۔ اس کے بعد نظام شاہی سے ہجرت اور عادل شاہی دربار سے وابستگی کا پتا اس کی مثنوی "میزبانی نامہ" سے چلتا ہے جس میں حسن شوقی نے سلطان محمد عادل شاہ کی ایک شادی کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ اپنی غزل کے ایک شعر میں بھی اُس نے محمد عادل شاہ کی فیاضی اور اپنی حاجت کا

---

[1]: واقعاتِ مملکت بیجاپور، جلد اول، مصنف بشیر الدین احمد ص ۲۳۹-۲۴۰

اظہار کیا ہے ؎

دل جامِ جم ہے شاہ کا شوقی نکر اظہارِ توں
شاہنشہِ عادل کنے حاجت نہیں گفتار کا

یہ شعر اُسی بحر اور ردیف و قافیہ میں ہے جس میں نصرتی نے حسن شوقی کی شاعری سے اپنی شاعری کا مقابلہ کیا ہے ؎

دس پانچ بیت اس دھات میں کے ہیں تو شوقی کیا ہوا
معلوم ہوتا شعر اگر کتے تو اس بستار کا

جنگ تالیکوٹ ۹۷۲ھ اور سلطان محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ھ - ۱۰۶۷ھ) کے درمیان ایک لمبا عرصہ ہے۔ اب سوال یہ سامنے آتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ شخص جو ۹۷۲ھ کی جنگ کا فتح نامہ لکھتا ہے وہ سلطان محمد عادل شاہ کی شادی کا "میزبانی نامہ" بھی لکھے۔ مولوی عبدالحق کا خیال ہے کہ "یہ فتح ۹۷۲ھ میں ہوئی اور ظاہر ہے کہ اس وقت حسن شوقی زندہ نہیں تھا۔"[1] "شوقی زندہ نہیں تھا" کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ شوقی پیدا نہیں ہوا تھا اور اس سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ مثنوی بہت بعد میں لکھی گئی ہے۔ انجمن کے کتب خانۂ خاص میں "فتح نامہ نظام شاہ" کے دو نسخے ہیں، جس نسخہ کا تفصیلی تعارف مولوی عبدالحق مرحوم نے ۱۹۲۹ء میں شائع کیا تھا اُسے وہ مکمل (نسخۂ اول) سمجھتے ہیں اور دوسرے نسخے کے بارے میں (نسخۂ ثانی) جسے وہ ناقص کہتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ "ناقص نسخے کے آخر میں اشعار زائد ہیں۔ ان میں فتح کا سن بھی دیا ہے اور نظام شاہ کو بہت بہت دعائیں بھی دی ہیں جیسے کوئی زندہ شخص کو دیتا ہے۔"[2] اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ اشعار الحاقی ہیں۔"[2] یہ دونوں نسخے مولوی عبدالحق مرحوم کی ملکیت تھے اور یہی دو نسخے اس دیوان کو مرتب کرتے وقت میرے سامنے رہے ہیں۔ نسخۂ ثانی جس میں اشعار کے الحاقی ہونے کا شبہ ظاہر کیا ہے، کے شروع کے صفحات پر مولوی صاحب

---

[1] : قدیم اردو از عبدالحق، انجمن ترقی اردو کراچی۔ ۱۹۶۱ء صفحہ ۴

[2] : قدیم اردو عبدالحق صفحہ ۴۷، صفحہ ۵

نے اپنے قلم سے "جنگ وجیا نگر از ص۱ تا ص۳۶" کے الفاظ لکھے ہیں۔ لیکن بیاض کی اس مثنوی کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ جنگ وجیا نگر (فتح نامہ نظام شاہ) ص۵ پر ختم ہوجاتی ہے اور ص۶ ہی سے دوسری مثنوی شروع ہوجاتی ہے جو ص۳۶ تک جاتی ہے۔ اس میں مغل افواج کے سپہ سالار راجہ جے سنگ سے بیجاپور کی ایک جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ جہاں صفحہ ۶ پر شوقی کا فتح نامہ (جنگ وجیا نگر) ختم ہوا ہے وہاں کاتب نے اس زمانہ کے دستور کے مطابق ترقیمہ میں یہ شعر لکھا ہے ؎

من نوشتم آنچہ دیدم در کتاب
عاقبت واللہ والعلم بالصواب

کاتب نے اپنا نام نہیں دیا لیکن "تحریر فی التاریخ ششم شہر ربیع الاول سنہ ۱۰۹۶ھ می مقام بالاپور" کے الفاظ لکھ کر تاریخ اور سنِ کتابت دے دیا ہے۔ ان اشعار کی تعداد پچھتر ہے۔ اس کے بعد متفرق کلام، مثنوی، مرثیے وغیرہ لکھے گئے ہیں اور ص۱۴۹ سے پھر فتح نامہ نظام شاہ شروع ہوجاتا ہے جو ص۱۶۱ تک جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بیاض کے شروع کے صفحات ضائع ہوگئے اور کچھ ابتدائی صفحات آخر میں لگ گئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ نسخۂ اول فتح نامہ کے دستور و ہیئت کے خلاف میدانِ جنگ اور فتح کے فوراً بعد کے حالات اور بغیر دعائیہ کلمات کے، بے ربطی سے ختم ہوجاتا ہے لیکن نسخۂ ثانی میں وہ مضمون جو نسخۂ اول میں اٹھایا گیا ہے آگے بڑھتا ہوا نظر آتا ہے اور مثنوی باقاعدہ طور پر دعائیہ کلمات پر ختم ہوتی ہے۔ میدانِ جنگ میں کیا قیامت برپا ہوئی؟ اس کی تفصیل نسخۂ اول میں نہیں ہے لیکن نسخۂ ثانی میں موجود ہے۔ دونوں نسخوں کو سامنے رکھ کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نسخوں کے درمیان کے چند شعر اب بھی غائب ہیں لیکن اس نقص کے باوجود، جو مجبوری ہے جب تک کوئی اور نسخہ اس مثنوی کا دریافت نہ ہوجائے، اگر ان دونوں نسخوں کو ملا دیا جائے تو مثنوی مکمل ہوجاتی ہے۔ مولوی صاحب کو نسخۂ ثانی کے اشعار الحاقی ہونے کا شبہ اس وجہ سے ہوا کہ انھیں بظاہر یہ ممکن نظر نہیں آیا کہ کوئی شخص جو ۹۷۲ھ میں زندہ ہو اور شعر کہہ رہا ہو وہ ۱۰۴۰ھ کے قریب تک بھی زندہ رہے اور شعر گفتار ہے۔ نسخۂ ثانی کے چند دعائیہ اشعار یہ ہیں ؎

ظفر نامہ یو شاہِ عالم پناہ دلاور جہانگیر انجم سپاہ

خطاب حسین کوں حسین بحری نظام ۔۔۔ سکل بادشاہاں منے یو امام
ہو جم جم سکی جگ تجہ راج تیں ۔۔۔ سوا لگ برس راج کر آج تیں

داخلی شواہد سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ یہ اشعار الحاقی نہیں ہیں :

۱- ہر فتح نامہ میں شاعر آخر میں بادشاہ کو دعا دیکر مثنوی ختم کرتا ہے۔ نسخۂ اول میں مثنوی اچانک بغیر دعائیہ اشعار کے بے ربطی سے ختم ہو جاتی ہے۔ نسخۂ ثانی میں دعائیہ اشعار ملتے ہیں جن کا مزاج اور انداز نسخۂ اول کے مطابق ہے۔

۲- نسخۂ اول میں میدانِ جنگ کا حال بہت مختصر اور صرف چند اشعار میں ملتا ہے لیکن نسخۂ ثانی میں یہ بیان تفصیل سے آیا ہے۔

۳- مثنوی کے آخر میں عام طور پہ شاعر اپنا تخلص لاتا ہے۔ نسخۂ اوّل میں کہیں تخلص نہیں آیا۔ صرف ترقیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتح نامہ حسن شوقی نے لکھا ہے۔ نسخۂ ثانی میں دوبار تخلص آیا ہے۔

۴- نسخۂ اول میں جو مضمون اُٹھایا گیا ہے اس میں رام راج کا سر تن سے جدا کرنے کا بیان ہے لیکن اس کے بعد کیا ہُوا۔ فتح کے بعد کے حالات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن یہی مضمون نسخۂ ثانی میں پھیل کر آتا ہے۔ شہر کو لُوٹنے کا بیان ملتا ہے۔ بے شمار مالِ غنیمت ملنے کا ذکر آتا ہے اور پھر دعائیہ اشعار پر مثنوی ختم ہوتی ہے۔ ایک طرف سے حسین نظام شاہ کی فوجیں بڑھتی ہیں اور دوسری طرف سے رام راج جنگ کے لیے مستعد ہوتا ہے۔ اس کے فوراً بعد نسخۂ اول میں یہ سرخی دی گئی ہے "فتح یافتن نظام شاہ بر لشکر رام راج و سر آورا بریدہ پیش تفال خاں فرستادن" اور ان اشعار پہ مثنوی ختم ہو جاتی ہے۔

اٹھا کوئی قاصد سو ابن العزیز
زباں باادب دست دپا بے تمیز
چلیا سراوپر پر لگا سات تیر
کماں پھیر تا پیش گردوں سریر

سو سـ خاں گن میل ..... سرنگ
جو بجری نے اوس سال ماریا کلنگ
اتھا سخت پھترا ہُوا موم سا
سنگاسن سے پرچلیا کوم سا

لیکن نسخۂ ثانی میں اس کے بعد کی ساری تفصیل موجود ہے۔

۵۔ مولوی عبدالحق کا خیال ہے کہ" ناقص نسخے (نسخۂ ثانی) میں نظام شاہ کو بہت بہت دعائیں دی ہیں جیسے کوئی زندہ شخص کو دعائیں دیتا ہے۔ مثلاً"

سدا جیو راجے جنم راج کر
بسے لگ دنیا نت نوے کاج کر
مبارک ظفر آسمانی اچھو
تجے فتح نصرت سبحانی اچھو

(نسخۂ ثانی)

یہ ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص جب بھی کسی کو دعا دیتا ہے تو وہ چند مخصوص الفاظ بار بار استعمال کرتا ہے۔ یہی الفاظ وہ الف کے لیے استعمال کرتا ہے اور یہی الفاظ وہ ب کے لیے۔ حسن شوقی نے یہ مصرع :

سدا جیو راجے جنم راج کر

نہ صرف نسخۂ ثانی میں استعمال کیا ہے بلکہ" جواب دادن وزیران نظام شاہ را در باب فکر رام راج" کے عنوان کے تحت نسخۂ اوّل میں بھی استعمال کیا ہے۔ جب وزیر مشورہ کے لیے آتے ہیں تو وہ زمین بوسی اور دعائیہ کلمات کے ساتھ بادشاہ سے یوں مخاطب ہوتے ہیں ؎

دھرت چوم بولیا جہاں پہلواں
کرے ختم شاہانِ آخرِ زماں
سدا جیو راجے جنم راج کر
جے کچہ کال کرنا سو توں آج کر

(نسخۂ اول)

یہی شعر بالکل اسی طرح نسخۂ ثانی میں بھی ملتا ہے ؎

سدا جیو راجے جنم راج کر
جے کچھ کال کرنا سو توں آج کر

(نسخۂ ثانی)

حتیٰ کہ حسن شوقی اپنی دوسری مثنوی "میزبانی نامہ" میں جہاں سلطان محمد عادل شاہ کو دعا دیتا ہے۔ وہاں بھی یہی مصرع اس کے قلم سے نکل جاتا ہے ؎

سدا جیو راجے جنم راج کر
جو دشمن مونڈی تل کرے لاج کر
کرے راج جو لگ گگن دھر تری
کرے راج جو لگ پُرب استری

(میزبانی نامہ)

"میزبانی نامہ" بھی دعائیہ اشعار پر ختم ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ فتح نامہ بغیر دعائیہ اشعار کے یونہی بے ربطی سے ختم ہو جاتے۔

۶۔ "میزبانی نامہ" میں ایک جگہ یہ اشعار ملتے ہیں ؎

میٹھا تخت پر آو جمشید سا
زرافشاں کیا دستِ خورشید سا
سلح دار سردار جیتے وزیر
نہ گھر میں رہیا کوئی برنا و پیر

"فتح نامہ نظام شاہ" کے نسخۂ اول میں ذرا سی تبدیلی سے یہ اشعار اس طرح نظر آتے ہیں۔

بیٹھا تخت اوپر او جمشید وار
زرفشاں کیا دست خورشید وار
سلح دار سردار جیتے وزیر
نہ گھر میں رہیا کوئی برنا و پیر

اور نسخۂ ثانی (ناقص) میں یہ شعر یوں ملتا ہے ؎

سلح دار سردار جیتے وزیر
سلح پوش راوت و برنا و پیر

"میزبانی نامہ" میں ایک اور جگہ یہ شعر ملتا ہے ؎

سلحدار و سردار جیتے وزیر
پیادے چلے سات برنا و پیر

دو مثالیں اور دیکھیے۔ نسخۂ ثانی (ناقص) میں یہ شعر ملتا ہے ؎

ہو جم جم سُکی جگ تج راج تیں
سوا لک برس راج کر آج تیں

میزبانی نامہ میں یہ دعائیہ شعر اس طرح آیا ہے ؎

تونگر ہُوا خلق اس کاج تے
سوا لکھ برس راج کر آج تے

فتح نامہ نسخہ اول میں یہ شعر یوں ملتا ہے ؎

جو سولا کلا نر دھنور بید کے
دھنور بید کے ہو را مر بید کے۔

اور نسخۂ ثانی میں یہ اس طرح ملتا ہے ؎

جو گنگے کنک تھے دھنور بید کے
دھنور بید کے ہو را مر بید کے

غرضیکہ ان شواہد کی روشنی میں نسخۂ ثانی کے اشعار کے الحاقی ہونے کی گنجائش نہیں رہتی جب کہ موضوع کا تسلسل بھی پُورے طور پر باقی رہتا ہے۔ شاعر کا تخلص بھی آتا ہے اور مثنوی دعائیہ اشعار کے ساتھ روایتی ہیئت کے عین مطابق ختم ہوتی ہے۔

۷۔ پُوری مثنوی کے مزاج سے، انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ تالیکوٹ حسن شوقی کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے۔ وہ جس تفصیل اور جس صحت سے واقعات کو بیان کر رہا ہے،

اس کی تصدیق تاریخ فرشتہ سے بھی ہوتی ہے اور دوسری تاریخوں سے بھی۔ پوری مثنوی میں حسین بحری نظام شاہ کا ذکر اس طور پر کیا گیا ہے اور جنگ کے واقعات اس طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ گویا وہ سامنے ہے۔ فتح نامہ کے نسخۂ اول ہی میں یہ شعر ملتا ہے ؎

نظاما نہوئے تند اژدر ہے یو
کہ دسویں صدی کا سکندر ہے یو

اس سے بھی اس مثنوی کے دسویں صدی ہجری ہی میں لکھے جانے کی مزید تصدیق ہوتی ہے، اور صیغۂ حال کا استعمال اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ فتح نامہ فوراً جنگ کے بعد لکھا گیا ہے۔ ۲۰ر جمادی الاوّل ۹۷۲ھ میں چاروں بادشاہ جنگ پر روانہ ہوئے۔[1] ۲۰ر جمادی الثانی کو دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہوئیں۔[2] فتح کے بعد دس ماہ تک میدانِ جنگ میں اور پانچ ماہ تک[3] یہ سب بادشاہ وجیانگر میں رہے اور پھر اپنے اپنے ملکوں کو لوٹے۔ احمد نگر آنے کے گیارہ دن بعد حسین نظام شاہ روز چہار شنبہ ہفتم ذیقعد ۹۷۲ھ[4] کو مرگیا۔ ع "آفتابِ دکن بشد پنہاں"[5] سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ جنگ تالیکوٹ ۹۷۲ھ میں شروع ہوئی اور نہ صرف ۹۷۲ھ میں ختم ہوگئی بلکہ اسی سال حسین نظام شاہ بحری بھی وفات پاگیا اور یہ فتح نامہ اسی سال لکھا گیا اور بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ نسخۂ ثانی کے دعائیہ اشعار سے بھی صاف پتا چلتا ہے کہ حسین زندہ ہے اور حسن شوقی اُسے دعائیں دے رہا ہے۔ اس کی بہادری کے کارناموں کو ابھار رہا ہے۔ نسخۂ اول کے اس شعر کو سامنے رکھتے ہوئے

نظاما نہوئے تند اژدر ہے یو
کہ دسویں صدی کا سکندر ہے یو

نسخۂ ثانی کے یہ چند اشعار دیکھیے: ؎

---

[1] : واقعات مملکت بیجاپور جلد اول ص۱۱۳ [2] : تاریخ فرشتہ جلد چہارم دار الطبع جامعہ عثمانیہ ص۹۳ مطبوعہ ۱۹۳۲ [3] : تاریخ وجیانگر بشیر الدین احمد ص۲۹۶ [4] : تاریخ دکن جلد چہارم حصہ دوم ص۲۳ ۔ [5] : تاریخ گولکنڈہ عبد المجید صدیقی ص۸۳

نہ ایسا ظفر کیں یو شاہی ہوا — یو شہ کوں فتح آسمانی ہُوا
ہوئی دیندار اں کوں شادی تمام — بہ برکت محمدؐ علیہ السلام
ترٹا بہوت خانے و دیول قدیم — بندھے مسجداں پر منارے عظیم
موذن بلند بانگ دینے لگیا — زمیں تھیں نکل گنج آنے لگیا
دکن کے شہاں میں وو شمشیر زن — ہوا ناؤں جوں بحرِ کفر شکن !
ہو جم جم سکی جگ تج راج تیں — سوا لک برس راج کر آج تیں
ظفر نامہ یو شاہ عالم پناہ — دلاور جہانگیر انجم سپاہ
خطاب جس کوں حسین بحری نظام — سگل پادشاہاں منے یو امام
ہے محتاج عالم ترے دان کا — تجے تخت شاہی سلیمان کا
عدل اور انصاف کا میر توں — سگل پادشاہاں میں جہانگیر توں
جہانگیر سلطان جہاں بخش ہے — یو عالم پہ تیرا بڑا نقش ہے
مجالس سو شہ کی جو نوروز ہے — ہمیشہ فتح تجہ پہ فیروز ہے
تو ہیں شاہ سلطان فیروز جنگ — کہ تھر کانپتے جس تھیں دریا نہنگ
مبارک تجے تخت ہور تاج اچھو — کہ جب لگ دنیا میں ترا راج اچھو
تیرے نور کا شور تا شام اچھو — جھمکتا ترا حسن دائم اچھو !!
سدا سیس پر تج چھتر چھاؤں اچھو — کہ جتیا ابد لگ تیرا ناؤں اچھو !!

شروع کے اشعار میں دینداروں کی خوشی کا ذکر کیا گیا ہے۔ بت خانوں کے مسمار کرنے اور مندروں کو توڑنے کا بیان ہے اور لکھا ہے کہ موذن مسجدوں میں اذان دینے لگے۔ اس بات کو تاریخِ فرشتہ کے اس بیان کی روشنی میں دیکھیے کہ ہندو مسجدوں میں گھس آتے اور خدا کے گھر میں باجے بجاتے اور بتوں کی پرستش کرتے"[1] نسخہ ثانی میں فتح کا سن ۹۷۲ھ ہی دیا ہے۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں نسخۂ ثانی جو سنہ ۱۰۹۶ھ کا لکھا ہُوا ہے نہ کے اشعار الحاقی ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

---

[1] : تاریخ فرشتہ ایضاً ص ۶۳

آیئے اب ۹۷۲ھ میں حسن شوقی کے زندہ رہنے پر غور کریں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ابنِ نشاطی نے اپنی مثنوی پھولبن میں حسن شوقی کو یوں یاد کیا ہے ؎

حسن شوقی اگر ہوتے تو فی الحال
ہزاراں بھیجتے رحمت مجہ اُپر ال

پھولبن ۱۰۶۶ھ میں لکھی گئی اور اس وقت حسن شوقی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک اور مخطوطہ میں، جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے، یہ حوالہ ملتا ہے کہ شاہ حبیب اللہ کے انتقال کے وقت ۱۰۴۱ھ میں حسن شوقی نے "قطب آخر الزماں" کے الفاظ سے شاہ صاحب کی تاریخ وفات نکالی تھی۔ گویا ۱۰۴۱ھ میں حسن شوقی زندہ تھا۔ اگر جنگ تالیکوٹ کے وقت حسن شوقی کی عمر پچیس چھبیس سال مان لی جائے تو ۱۰۴۱ھ میں اس کی عمر ۹۳، ۹۴ سال بنتی ہے اور اس کی عمر تک کسی شخص کا زندہ رہ جانا اس دنیا کا کوئی عجیب و غریب واقعہ نہیں ہے مثلاً شاہ باجن نے ۱۲۳ سال کی عمر پائی۔ باجن کے والد ۱۲۰ سال تک زندہ رہے۔ گیسو دراز نے ۱۰۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس طرح حسن شوقی کا سن ولادت تقریباً ۹۴۸ھ بنتا ہے، اور اُس کی وفات کا سن ۱۰۴۲ھ اور ۱۰۵۰ھ کے درمیان متعین کیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے فتح نامۂ نظام شاہ تقریباً ۴۱۵ سال سے زیادہ پرانی اردو زبان کا نمونہ پیش کرتا ہے اور اُسے اردو کے قدیم تر اور اہم تر شعری سرمائے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ فتح نامہ اس لحاظ سے برہان الدین جانم کے "ارشاد نامہ" سنِ تصنیف ۹۹۰ھ، ابراہیم عادل شاہ ثانی جگت گرو کی نورس ۱۰۰۶ھ اور عبدل کے ابراہیم نامہ ۱۰۱۲ھ سے بھی قدیم تر ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد قلی قطب شاہ اور جگت گرو و جانم سے پہلے نظام شاہی سلطنت میں اردو کتنی ترقی کر چکی تھی اور اس کا کیا گہنڈا اور کیا رنگ روپ تھا؟

(۳)

موجودہ مواد کی روشنی میں حسن شوقی ایک مثنوی نگار اور غزل گو کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوا "فتح نامہ نظام شاہ" جو موجودہ شکل میں ۶۲۰ اشعار پر مشتمل ہے، دکن کی مشہور جنگ تالیکوٹ ۹۷۲ھ (۱۵۶۴ء) کی فتح پر حسن شوقی نے

مرتب کیا جس میں اپنے مربّی حسین نظام شاہ کو فاتح تالیکوٹ قرار دیا۔ یہ جنگ وجیانگر کے راجہ رام راج اور ابراہیم قطب شاہ، علی عادل شاہ اول، حسین نظام شاہ اور برید شاہ کی متحدہ افواج کے درمیان ہوئی جس میں رام راج کو شکست فاش ہوئی اور وجیانگر کی سلطنت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ رام راج کو حسین نظام شاہ سے سخت دشمنی اور نفرت تھی۔ وہ کسی نہ کسی بہانے نظام شاہی پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ مسلمان سلطنتوں میں آپس میں نفاق تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ملک دکن کے بڑے حصے پر قابض ہو گیا۔ طاقت، دولت اور ثروت کے نشہ میں ایسا چور ہوا کہ مسلمانوں کی بے عزتی کرنا وہ ضروری سمجھتا تھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ "ہندو مسجدوں میں گھس آتے اور خدا کے گھر میں باجے بجاتے اور بتوں کی پرستش کرتے۔ رام راج مذہب اسلام کو اس قدر حقیر سمجھنے لگا تھا کہ مسلمان ایلچیوں کو دربار میں آنے نہیں دیتا تھا اور اگر کبھی عنایت کر کے اُن سے ملاقات کرتا تو ان کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا تھا اور جب کبھی سوار ہوتا تو بڑے تکبر و غرور کے ساتھ مسلمان ایلچیوں کو بہت دور تک پیادہ پا اپنی سواری کے ساتھ دوڑاتا"[1]۔ ان دونوں کی نفرت ایک اور واقعہ سے بھی سامنے آتی ہے۔ رام راج اور علی عادل شاہ اول نے مل کر نظام شاہی کے احمد نگر پر حملہ کیا اور فتح کے بعد رام راج نے یہ شرط لگائی کہ حسین قلعۂ کلیانی عادل شاہ کو دیدے اور خود حسین نظام شاہ رام راج سے آ کر ملاقات کرے اور اُس سے پان کا بیڑا لے۔ حسین نظام شاہ مجبور تھا۔ گیا تو رام راج پیشوائی کے لیے بھی نہیں آیا۔ لیکن جب حسین نظام شاہ ڈیرہ میں داخل ہوا تو رام راج کھڑا ہو گیا اور ہاتھ کو بوسہ دیا۔ حسین دل میں جلا ہوا تھا وہیں سیلابچی منگائی اور ہاتھ دھو ڈالے[2]۔ رام راج کی سیاست کا سارا زور اس بات پر تھا کہ وہ ایک سلطنت کو دوسری سلطنت سے لڑاتا رہتا تھا۔ کبھی رام راج ایک بادشاہ سے مل جاتا اور کبھی دوسرے سے اور صورتِ حال یہ ہو گئی تھی کہ دکن کی مسلمان سلطنتوں کے لیے رام راج ایک مستقل خطرہ بن گیا تھا۔ کبھی ایک کا ملک دبا لیتا اور کبھی

---

[1]: تاریخ فرشتہ جلد چہارم۔ دار الطبع جامعہ عثمانیہ صفحہ ۲۳۔ مطبوعہ ۱۹۳۲ء۔

[2]: تاریخ وجیانگر بشیر الدین احمد صفحہ ۲۷۹

دوسرے کہا اس مسلسل ذلت وخطرہ نے ان چاروں بادشاہوں کو مجبور کیا کہ وہ آپس میں متحد ہو کر رام راج کا زور توڑ دیں۔ مصطفےٰ خاں اردستانی کی کوششوں سے چاروں بادشاہوں کے درمیان عہد و پیماں قائم ہوئے اور آپس میں شادی بیاہ کے رشتے استوار ہوئے۔ جنگ کی زبردست تیاریاں شروع ہوئیں۔ جنگ میں حسین نظام قلب میں تھا۔ میمنہ پر علی عادل شاہ اور میسرہ پر ابراہیم قطب شاہ و علی برید شاہ تھے۔ رام راج نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ حسین نظام شاہ کا سر کاٹ کر لائیں اور علی عادل شاہ ابراہیم قطب شاہ بادشاہان بیجاپور و گولکنڈہ کو زندہ پکڑ کر لائیں تاکہ وہ ان کو اُن کی بقیہ عمر تک لوہے کے پنجروں میں قید رکھے[1] گھمسان کی لڑائی ہوتی۔ متحدہ افواج کے پیر اکھڑنے لگے لیکن حسین نظام شاہ کی بہادری وجرأت نے رن کھم گاڑ دیئے۔ رام راج قتل ہوا اور متحدہ افواج نے وجیانگر کی اینٹ سے اینٹ بجادی فتح کے جشن منائے گئے۔ مورّخ قاسم فرشتہ کے والد مولانا غلام علی استرآبادی نے بطریق تعمیہ رام راج کے قتل کا مصرع تاریخ موزوں کیا ہے

نہایت خوب واقع گشت قتل رام راج

حسن شوقی نے بھی منظوم فتح نامہ حسین نظام شاہ کے حضور میں پیش کیا اور یہی وہ تصنیف ہے جو دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہ کر ہم تک پہنچی ہے۔ فتح نامہ نظام شاہ میں حسین شوقی نے حسین نظام شاہ کو اصل فاتح دکھایا ہے۔ اس اعتبار سے احمد نگر کا نقطۂ نظر، اندازِ فکر، جنگی تیاریاں رام راج سے دشمنی اور دوسرے حالات وکوائف کی پوری تصویر نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ ابتدائی حِصّہ میں اس اتحاد کی طرف اشارہ کیا ہے، جو چار سلطنتوں کے درمیان ہوا تھا، اور اس کے بعد نظم کے تیور، بیان اور تفصیل اس طور پر سامنے آتے ہیں کہ سارے بادشاہ غائب ہو جاتے ہیں اور مثنوی پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ جنگ حسین نظام شاہ بحری اور رام راج کے درمیان ہی لڑی گئی تھی۔

فتح نامہ نظام شاہ کی ہیئت وہی ہے جو عام طور پر مثنویوں میں ملتی ہے۔ حمد اور نعت

---

[1] : تاریخ وجیانگر صفحہ ۲۸۹، صفحہ ۲۹۰

کے بعد مختلف عنوانات قائم کیے گئے ہیں جو سب کے سب، جیسا کہ اس زمانہ میں اور بعد تک دستور رہا، فارسی میں ہیں۔ دکن کے سیاسی حالات کا پس منظر بیان نہیں کیا گیا۔ صرف مثنوی کے سات اشعار میں اس اتحاد کا ذکر کیا ہے، جو سلاطینِ دکن کے درمیان ہو گیا تھا اور اس کے بعد جنگ کے اسباب کا بیان شروع ہو جاتا ہے۔ مثنوی پڑھ کر بار بار محسوس ہوتا ہے کہ اصل دشمنی رام راج کو حسین نظام شاہ بحری سے تھی اور اسی وجہ سے یہ جنگ ہوئی۔ رام راج کا قاصد بھی پیام لے کر حسین نظام شاہ کے دربار میں آتا ہے۔ اس حصہ میں تمام قدیم نامور بادشاہوں کے حوالے سے دکن کے بادشاہوں کی بہادری، جود و سخاوت اور عدل و انصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں کیومرس، جمشید، دارا، ذوالقرنین، محمود غزنوی حتّٰی کہ رام، ارجن اور کرشن کا ذکر بھی آیا ہے اور اُن کی صفات بیان کی جاتی ہیں۔ شوقی نے لفظوں سے ایسا نقشہ جمایا ہے کہ تصویر آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ اس کے بعد رام راج کو فرعون، شداد، اور راون سے تشبیہ دے کر بتایا ہے کہ: ؎

شرف مرد کا ہے چلنت خوب خاص
جو پھولوں کی خوبی سوں پھولوں کی باس
ہر یک ملک میں نیک رفتار ہے
ہر یک قوم میں نیک گفتار ہے

پھر رام راج کا دربار دکھایا گیا ہے۔ وہ اپنے وزیروں کو نظام شاہ سے جنگ کے لیے طلب کرتا ہے۔ پہلے اُن کی جرآت، ہمت اور عقل کی تعریف کرتا ہے اور پھر اپنا مدعا یوں بیان کرتا ہے ؎

بہوت دن نے چھاتی منے سل اہے — نظامیاں سوں مجہ آج سو ندل اہے
مجے راج بگ کے کہیں راج راج — دلویں باج سارنے نگر ترک باج
بیٹھاویں مجے باج حاجب سنگات — نظامیاں نظاین سوں کرتا تنات

اور اُن کے مذہبی جذبات کو ابھارتا ہے۔

نہ دیتا سنیاسی و تپسی کے تیں — نہ بید مال باچے بچیسی کے تیں

جو باچے جیکوئی گر بھونگم پُران	کیے کچھ نہیں سب جو ہے سو قرآن
نہ بھکشن کو مانے نہ راون کے تیں	سرا دے کدیں ٹک سراون کے تیں

یہ سُن کر وزیر برد ن پر اثر ہُوا اور انھوں نے رام راج کو نظام شاہ سے جنگ کرنے کا مشورہ دیا اور کہا۔

کہاں رام راجا کہاں شہ حسین	کہاں بحرِ قلزم کہاں تلتنیں

اور یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ نظام شاہ سے اشترانِ کابلی، عودو عنبر، مشک واذفر، کوس سیمیں، نائے زریں، نقد و رخت، گرز رو بیّن تنی خنجر بہمنی، افسرِ سنجری وغیرہ بطور خراج طلب کرے۔ یہ سُن کر رام راج نظام شاہ کو خط لکھواتا ہے اور بے عزتی کے طور پر یہ بھی لکھواتا ہے کہ زبر جد کی صراحی، یاقوت کا پیالہ، الماس کے کعبتیں، نظام شاہ کی ملکہ خونزا ہمایوں کے پاؤں کی پائل، رومی خاں، مخدوم خواجہ جہاں اور اسد خاں وغیرہ کو بھی بھیج دے۔ گائے کا گوشت کھانا چھوڑ دے۔ مکہ کی بجائے جنگماں کی پوجا کرے۔ جتنا کچھ لکھا ہے وہ سب بھیج دے ورنہ ؎

نہ ترکاں کو چھوڑوں نہ ترکی کماں	اگر کیو رستم ہو حا صنر عماں
نہ آب بھنور تا لب نربدا	نہ چھوڑوں تو نگر نہ چھوڑوں گدا
نہ چھوڑوں کدہیں کدخدایانِ ہند	نہ چھوڑوں کدھیں کدخدایان سند
نہ چھوڑوں ملا نہ چھوڑوں فقیر	نہ بڑکا نہ لڑکا نہ برنا نہ پیر
کروں دور بنیاد اسلام کی	جو مانے وڈا ہے جگت رام کی

ہری داس قاصد یہ پیغام لے کر نظام شاہ کے پاس گیا تو میاں حسن شوقی نے حسین نظام شاہ کی بردباری، بہادری اور بلندی کردار کو صرف ایک شعر سے بہت خوبصورتی سے ابھارا ہے ؎

سو فرمان جب آن حاجب دیا
تے شاہ سُن تب تبسم کیا

اس کے بعد نظام شاہ اپنے وزیروں کو مشورہ کے لیے طلب کرتا ہے ؎

دیا شاہ دشنام ناپاک تے	تنگ آیا ہوں اس خرس ناپاک تے

نہ پیراں کو مانے کوں نہ میراں کے تیں
مدبر کو جانے و بیراں کے تیں

سو مسجد کے تیں پاڑ و یراں کرے
موذن کے تیں مار حیراں کرے

نہ مانے کدھیں کس نمازی کے تیں
دیوانہ کہے فخر رازی کے تیں

رام راج کے اس طرز عمل کی تصدیق تاریخ فرشتہ سے بھی ہوتی ہے۔ یہ سن کر سارے پہلوان، جری سورما جوش میں آ گئے اور کہا کہ جو کچھ کل کرنا ہے آج ہی کر لیا جائے۔ تیرے لشکر پہاڑوں کے سینے چیر سکتے ہیں۔ تو ماورالنہر کو مسخر کر سکتا ہے۔ چالیس ابدال تیرے دوست ہیں۔ ہندوستان کے پیر و بزرگ تیرے یار ہیں اور حل کر کہا ؎

سو توں پیر ہور رام سو دیر ہے — سو توں شیر ہور رام خنزیر ہے
توں الماس ہور رام پاکھان ہے — تو انسان ہور رام حیوان ہے

اپنے لشکریوں کا یہ جوش و حوصلہ دیکھ کر میر منشی سے رام راج کے نام جوابی خط لکھوایا۔
حسن شوقی نے اس حصہ میں جوش و جذبہ کا اظہار اُن قسموں کی تفصیل سے کیا ہے، جو بادشاہ نے سب کے سامنے کھائیں۔ نظام شاہ نے خدا کی، عرش و کرسی و رف رف، روزِ محشر، حوض کوثر و زمزم، غوث اعظم، قطب عالم، زور بازوئے بہمن، خان و منان، توریت و انجیل، زبور و قرآن کی قسمیں کھائیں اور کہا تو کس خیال میں ہے۔ میں اتنا حقیقت پرست ہوں کہ مجھے اسمِ اعظم عطا ہوا ہے ؎

تجے کبر ہور کبریائی مجھے — تجے دود ہور روشنائی مجے
نہ پتیاؤ کچھ زورِ بازو کے تیں — نگہ راکہ وزنِ ترازو کے تیں
سو مشعل جلاؤں سراندیپ پر — اجالا کروں سب سنگل دیپ پر

رام راج نے جو خط پڑھا تو آگ بگولا ہو گیا۔ دوبارہ قاصد بھیجا۔ نظام شاہ کو کم اصل قرار دیا اور کہلا

سو میں رام دجال کوں اصل ہوں — سو شداد بن عاد کی نسل ہوں

یہ ہیں رام بل رام ملکھن ہوں میں | جو یک من ہے بجری تو لکہ من نہوں میں

قاصد کا یہ پیغام سن کر نظام شاہ شیر نو کی طرح غصہ میں آگیا اور تیاریوں کے بعد لشکر جرّار کے ساتھ جنگ کے لیے روانہ ہو گیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ نظام شاہ نے ایسی شجاعت دکھائی کہ کشتوں کے پشتے لگا دیے ـــــ رام راج زندہ پکڑ کر نظام شاہ کے سامنے لایا جاتا ہے اور اس کے حکم سے سرتن سے جدا کیا جاتا ہے۔ پھر فوجیں شہر وجیانگر میں داخل ہوتی ہیں اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتی ہیں ؎

دیا شاہ فرمان لوٹنے رام کوں | کیا حکم سب خاص ہور عام کوں!

سو غارت تلت شہر ویراں کیا | کہ جنگاں کو سب مار حیراں کیا

خزینا دفینا اُبلنے لگیا | زمیں تھیں نکل گنج آنے لگیا

ہُوئی مال دھن سوں خلق بہرو ند | خوشی خرمی ذوق کرتی انند

جواہر صندوقاں ہزاراں ہزار | سونے ہور روپے کا نہ تھا کچھ شمار

اس کے بعد دعائیہ اشعار کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے۔

یہ مثنوی آج سے تقریباً ۴۱۵ سال پرانی اردو کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ اس مثنوی کے مزاج اور اسلوب پر فارسی اثر نمایاں ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ قطب شاہی کی طرح نظام شاہی علاقے کی زبان پر بھی فارسی اثرات گہرے تھے۔ صرف بیجاپور کی زبان و اسلوب پر سنسکرت اور مقامی زبانوں کا اثر گہرا تھا جو بیجاپوری اسلوب کو سارے دکن کے ادبی اسلوب سے الگ کر دیتا ہے۔ حسن شوقی کے فتح نامہ میں شاعرانہ اظہار بیان بھی ہے اور موقع و محل کے مطابق تشبیہات بھی استعمال کی گئی ہیں زور بیان بھی ہے اور گرم و نرم لہجہ بھی۔ اس قدرتِ بیان نے شوقی کے اسلوب میں ایک ایسی روانی پیدا کر دی ہے کہ آج اتنا زمانہ گزر جانے اور بے حساب الفاظ کے متروک ہو جانے کے باوجود شاعرانہ اثر انگیزی اور جذبات کا اتار چڑھاؤ محسوس ہوتا ہے۔ مثنوی میں دو کردار خصوصیت کے ساتھ ابھرے ہیں۔ ایک حسین نظام شاہ کا اور دوسرا رام راج کا۔ حسین نظام شاہ ایک بہادر، جری، سورما، اعلیٰ منتظم اور عادل و عاقل بادشاہ کے روپ میں سامنے آتا ہے جس میں رواداری بھی ہے اور شرافت بھی۔ رام راج ایک

ایسے شخص کے روپ میں سامنے آتا ہے جس میں نودولتیاپن، چھچھورپن اور گھمنڈ ہے جس میں دولت و طاقت کا ایسا نشہ ہے کہ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا جو انتہائی ظالم، سفاک، متکبر، سخت متعصب، تنگ نظر، بدتہذیب اور غضبیل ہے، جس کے ہاں عدل و انصاف بے معنی ہیں۔

ستم فربہ و عدل لاغر کیا

پڑھنے والے کو حسین نظام شاہ سے محبت اور رام راج سے نفرت کا شدید احساس ہوتا ہے اور جب رام راج قتل کیا جاتا ہے اور اُس کا سر نیزے پر چڑھایا جاتا ہے تو پڑھنے والے کو ایک ایسا سکون محسوس ہوتا ہے جیسے اُس کے مرنے سے جہاں پاک ہوگیا ہے۔ اس کی موت کا نقشہ مثنوی کے ایک ایسے مقام پر جمایا جاتا ہے جب پڑھنے والے کے دل میں رام راج کے خلاف نفرت کی آگ بُری طرح بھڑک رہی ہے۔ جب رام راج سنگھاسن میں بیٹھا اشرفیوں اور سونے کے ڈھیر سکے نظر آتا ہے تو مثنوی نگار کے بیان سے پڑھنے والے کے اندر یہ جذبہ اُبھر چکا ہوتا ہے کہ وہ اس سے سخت نفرت کا اظہار کرے اور جب جنگی ہاتھی اُسے اپنی سونڈ میں لپیٹ کر سوار کے پاس پہنچا دیتا ہے تو اُس کے دل کی کلی کھل جاتی ہے۔ موقع و محل کے مطابق حسن شوقی شعوری طور پر ایسے اشعار لکھتا ہے کہ وہ اثر پیدا ہو جو وہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ عمل وہ پوری مثنوی میں کرتا نظر آتا ہے مثلاً جب رام راج دوبارہ اپنے قاصد کو حسین نظام شاہ کے پاس روانہ کرتا ہے تو اس خط میں وہ خود اس کے منہ سے ایسے شعر کہلوتا ہے۔

سو میں رام دجّال کر اصل ہوں
سو شداد بن عاد کی نسل ہوں

اس طرح حسین نظام شاہ کے دربار کا نقشہ، جب وہ رام راج کا پہلا خط پڑھ کر اپنے وزیروں کو مشورہ کے لیے طلب کرتا ہے، جس طور پر جمایا گیا ہے اور جس انداز سے وہ قسمیں کھاتا دکھایا گیا ہے عرش و فرش ہلتے محسوس ہوتے ہیں اور پڑھنے والے میں جوش کا جذبہ اُبھرتا ہے۔ یہ جوشِ بیان ساری مثنوی میں ملتا ہے۔ فوجیں میدانِ جنگ کے لیے کوچ کرتی ہیں۔ دیکھیے حسن شوقی کتنی چابک دستی سے اس منظر کو پیش کرتا ہے۔

بہر شہر و کشور تے غازی چلے　　　چغتے مغل ترک و تازی چلے

پس و پیش سیدے چلے تا وے   چپ و راست افغان رن باولے
طبل ٹھوک کرناتے زریں دماں   چلیا نند جیوں اژدھاے دماں
کمر بند ترکش منڈا سا سو خول   نہ دکنی نہ رومی نہ سمجے مغول
چلیا کوچ پہ کوچ شاہِ دکن   قبا چار آہن زرہ پیرہن

پوری مثنوی میں ایک روانی، ایک تیز بہاؤ کا احساس ہوتا ہے اور یہ اسی وقت محسوس کیا جا سکتا ہے جب پڑھتے وقت جدید تلفظ اور ساکن و متحرک کا خیال نہ رکھا جائے۔ اس روانی میں ایک ایسے آہنگ کا احساس ہوتا ہے جیسے تاشے بجانے سے پیدا ہوتا ہے۔ حسن شوقی لفظوں کے استعمال پہ پوری قدرت رکھتا ہے اور آہنگ کا احساس اس کی شاعری کا بنیادی وصف ہے۔ مثلاً اس فنی عمل کے لیے وہ ایسے الفاظ ایک ایسی ترتیب سے استعمال کرتا ہے جس میں ایک ہی حرف کا بار بار استعمال ہو تاکہ اِن حروف کی آوازوں کے ٹکراؤ سے ایک ایسا آہنگ و لہجہ پیدا ہو جو شاعرانہ فضا کو اثر انگیز بنا دے۔ یہ آوازیں شاعرانہ فضا میں ایک خاص حسن، روانی اور آہنگ پیدا کر دیتی ہیں مثلاً

نظامیاں کوں فرماں یو لکھ توں   جیتے قاعدے ہندوی سیکھ توں
سو گوبند جگ دیو گوپال ہے   سور کھپال کرپال دیپال ہے

ایک اور جگہ ؎

ہلے دھرت گرور چلے پایدل   گرج گھن گھٹا میگ ماتے جنگل
کرڑ ایک پایک ملیا کا مگار   چنور ڈھال ڈھولے ڈھلے نامدار

اسی طرح یہ چند مصرعے دیکھیے: ع   جگا جوت جگ جھانپ جگ پاوڑا

ع- سو ملگل متنگل سو جنگل کے جو

ع- سو نادنگ بیدنگ بر دنگ میں

اس مثنوی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسن شوقی ایک قادر الکلام شاعر ہے جسے رزم و بزم دونوں پر عبور حاصل ہے۔ وہ موقع و محل کے مطابق اسلوب و لہجہ اختیار کرتا ہے۔ جیسا کردار ہے زبان و بیان بھی اسی کی مناسبت سے استعمال کیے گئے ہیں۔ رام راج کے زبان و بیان حسین نظام شاہ کی

زبان سے مختلف ہے۔ ایک کی زبان سنسکرت آمیز ہے اور دوسرے کی زبان فارسی آمیز ہے۔ مثنوی سے دونوں کی طرزِ معاشرت کا فرق بھی واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ رام راج مسلمانوں سے نفرت دلا کر اسلام کے خلاف جذبات ابھار کر اپنے وزیروں اور لشکریوں میں جوش پیدا کرتا ہے۔ نظام شاہ اسلام کا نام لے کر اپنی فوج میں رُوح پھونکتا ہے۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے ہندو اور مسلم تہذیب کے مزاج کا فرق بھی سامنے آتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اِن دونوں کا طرزِ فکر کیا تھا۔ ان کی طرزِ معاشرت کی بنیادیں کیا تھیں۔ اور اِن دونوں کے درمیان تہذیب و طرزِ احساس کی کونسی دیوار حائل تھی۔

تاریخی حیثیت سے بھی اس مثنوی کے واقعات کم و بیش وہی ہیں جو ہمیں اس دَور کی مستند تاریخوں میں ملتے ہیں لیکن نظام شاہ کی جنگی تیاریوں اور حالات و عوامل کی وہ تفصیلات جو تاریخوں میں نہیں ملتیں، اس مثنوی سے سامنے آجاتی ہیں۔ آج جب ہم اس مثنوی کو پڑھتے ہیں تو بحیثیت مجموعی ایسا نقش، اسلوب و طرز کا ایسا رنگ روپ نہیں ابھرتا جو زبان کے پختہ ہونے کے بعد ممکن ہوتا ہے لیکن یہ مثنوی زبان کا جنگل کاٹنے کی، بیان کے پُر خار راستوں کو صاف کرنے کی، صحراؤں اور دلدلوں میں راستہ بنانے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ ایک ایسے دور میں جب بیجاپور میں، گجری کے زیرِ اثر برہان الدین جانم، جگت گرو اور عبدل کا ادبی اسلوب رائج ہے۔ دسویں صدی ہجری کی نظام شاہی سلطنت سے حسن شوقی کا اسلوب قدیم دور میں ایک "جدید اسلوب" کا نمائندہ ہے جس میں فارسی رنگ و آہنگ ایک نیا پن پیدا کر رہا ہے۔

(۴)

قدیم دور کا یہی "جدید اسلوب" حسن شوقی کی دوسری مثنوی میزبانی نامہ[1] میں اور زیادہ نکھر کر ابھرا ہے۔ اس مثنوی میں سلطان محمد عادل شاہ (۱۰۶۸ - ۱۰۳۷ھ) کی اس شادی کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے جو نواب مظفر خاں کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ مولوی

---

[1] : بیاضِ انجمن (قلمی)

عبدالحق[1] نے نہ معلوم کس بنا پر اس شادی کا رشتہ مصطفیٰ خاں وزیرِ اعظم کی بیٹی سے ملا دیا ہے۔ چونکہ اس مثنوی کا ایک ہی معلوم نسخہ دنیا میں موجود ہے اس لیے مولوی عبدالحق کے حوالے سے یہ غلطی اتنی عام ہوئی کہ پروفیسر محی الدین زور[2]۔ نصیر الدین ہاشمی[3] اور دوسرے ماہرانِ ادبیات دکن نے بھی مولوی صاحب کے بیان کی بنیاد پر اس "میزبانی نامہ" کو مصطفیٰ[4] خاں کی لڑکی کی شادی سے منسوب کر دیا۔ میزبانی نامہ کی شرخی کے پیشِ نظر کہ "در بیان مہمانی کردن سلطان محمد عادل شاہ راو دادن جہیز دختر نواب مظفر خاں" کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ نواب مظفر خان کون تھے اسکا پتہ پورے طور پر نہیں چلتا لیکن ایک مظفر خان[5] کا ذکر تاریخوں میں آتا ہے۔ جو بدنور کی مہم سے مظفر و منصور آیا تو علی عادل شاہ خدیجہ پور تک اس کے استقبال کو گیا راستہ میں ہوا لگی اور واپس آکر بیہوش ہو گیا۔ یہی مظفر خاں علی عادل شاہ کی خلوت سرا کے ملازم خاص بھی تھے اور علی کے بہت معتمد بھی۔ جب بسترِ مرگ پر پینتیس سالہ علی عادل شاہ نے پانچ سالہ شہزادہ سکندر کو تخت پر بٹھانے کے لیے عبدالمحمد کو حکم دیا تو مظفر خاں پیش پیش تھا۔ عبدالمحمد نے بادشاہ کے حکم سے عبدالکریم خاں کو مرج میں اور بہلول خاں کو پنالہ میں متعین کیا اور مظفر خاں کو بدنور کا حاکم بنا دیا۔ قیاس غالب ہے کہ اسی مظفر خاں کی بیٹی سے سلطان محمد عادل شاہ کی شادی ہوئی تھی جو رفتہ رفتہ ترقی کر کے بادشاہ کا معتمد اور اُس کے بیٹے علی عادل شاہ کے زمانہ حکومت میں مقرب خاص اور پھر قلعہ بدنور کا حاکم بن گیا۔ بہر حال یہ شادی جس کا "میزبانی نامہ" حسن شوقی نے مرتب کیا ہے۔ مصطفیٰ خاں کی بیٹی سے نہیں بلکہ نواب مظفر خاں کی بیٹی سے شادی کا "میزبانی نامہ" ہے۔

میزبانی نامہ ۲۱۴ اشعار پر مشتمل ہے اور اُسے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شروع میں حمد و مدح سلطان محمد ملتی ہے اور باقی تین حصوں کے عنوانات یہ ہیں۔

---

[1]: قدیم اردو عبدالحق ص۶۳ [2]: اردو شہ پارے (۱۹۲۹) ص۱۰۲ [3]: دکن میں اردو ص۵۹ کراچی سنہ ۱۹۶۰ [4]: قدیم اردو، مرتبہ مسعود حسین خاں جلد اول ص۵۱۴ پر حسینی شاہد نے مصطفیٰ خاں کی لڑکی کا نام تاج جہاں بیگم لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ تاج جہاں بیگم عبدالرحمن کی لڑکی تھی اور بادشاہ کی ماموں زاد بہن تھی۔ دیکھیے واقعاتِ مملکت بیجاپور جلد اول ص۲۶۵ [5]: واقعات مملکت بیجاپور جلد اول ص۳۱۵

(۱) مجلس آراستن و بخشش کردن سلطان محمد مردماں را در میزبانی خود۔

(۲) در بیان شہر گشت سوار شدن سلطان محمد عادل شاہ۔

(۳) در بیان مہمانی کردن سلطان محمد عادل شاہ را و دادن جہیز دختر نواب مظفر خان۔

میزبانی نامہ میں حمد صرف پہلے شعر کے پہلے مصرع میں لکھی گئی ہے اور دوسرے مصرع سے سلطان محمد کی مدح شروع کر دی گئی ہے ؎

اوّل یاد کر پاک پروردگار
پچھیں شاد کر شاہِ عالی تبار

اس کے بعد سلطان محمد عادل شاہ کی شجاعت، سرفرازی گردن فرازی، جوانوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہونا اور ساتھ ساتھ پیر دانا سے مشورہ کرنے کا بیان ہے۔ بادشاہ کو گیان ونت اور رتن ہار بھی کہا گیا ہے اور بتایا ہے کہ ایسے بادشاہ نے میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد آرائش اور ساز و سامان کا شاعرانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ صوفے، منڈوے، رنگ برنگی پردے، باغ باڑی، زیب و زینت کی چیزیں، حوض خانے، فوارے، آب یخ، موم بتیاں، موتیوں کی لڑیاں اور اسی طرح کی سجاوٹوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مشک اتنی کثرت سے استعمال ہوا کہ ہند و چین و ماچین میں اس کا کال پڑ گیا۔ ان سب چیزوں کو ایسی ترتیب اور سلیقے سے بیان کیا گیا ہے کہ جگہ، سجاوٹ اور سامان کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ جب حسن شوقی آرائش کی اس تصویر کو لفظوں سے بنا چکتا ہے تو پھر بادشاہ کی آمد کا بیان کرتا ہے۔ بادشاہ آیا۔ مجلس آراستہ ہوئی اور وہ جمشید سار تخت پر بیٹھا۔ جتنے وزیر بزرگ و پیر تھے۔ جتنے درگاہ کے محرمانِ خاص تھے سب نے بادشاہ کو سجدہ کیا۔ بادشاہ نے بخششیں کیں، خلعت دیے۔ انعام و اکرام سے نوازا، کسی کو دیبائے رومی و چینی دیے۔ کسی کو فرنگی، کردی، المانی و مغربی لعل و نیلم و جواہر عطا کیے۔ کسی کو عربی، عراقی و ترکی گھوڑے دیے اور کسی کو بلخی بخاری و ختلی گھوڑے دیے۔ پھر چاندی اور سونے کے ورق لگے ہوئے پان کھلائے گئے۔ سپاری بھی چاندی سونے کے ورق میں لپٹی ہوئی تھی۔ سپاریوں کو چباتے وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ سونا اور چاندی چباب رہے ہیں۔ ہر چیز کی افراط کا یہ عالم کہ ؎

کیتا کوئی کھاوے کیتا کوئی لے جائے
مچھر کوں ہتی ہور مکھی کوں شکائے

جب میزبانی کی یہ رسمیں ادا ہو جاتی ہیں تو حسن شوقی یہ شعر لکھ کر سننے والے کی توجہ کو یہاں سے ہٹاتا ہے اور اپنے ساتھ لے کر آگے چلتا ہے ۔

بھوت دیس نے شہ کے گھر کاج ہے
شہر گشت کی رات سو آج ہے

سدا دار پہ بیٹھ کر اب بادشاہ کی سواری نکلتی ہے۔ ہر طرف اژدھام ہے۔ مست ہاتھی جھوم رہے ہیں۔ فضا طرح طرح کی خوشبوؤں سے بسی ہوئی ہے۔ نفیریوں ڈھول دماموں، قرنا، شہنائی کی نغمگی سے سارا ماحول پر رونق ہے۔ پیادوں کی دھوم، سواروں کے ٹھٹ، وزیروں کے دبدبے اور سپاہیوں کی شان سے جلوس کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔ سب کے سب جلوس کے ساتھ چل رہے ہیں۔ بادشاہ کے لباس کے بیان سے خود بادشاہ کے حسن وجمال میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔ برات کے جلوس میں گانے والیاں گا رہی ہیں، رقاصائیں رقص کر رہی ہیں اور خوشی و خرمی سے او بلتی "اکڑتی" اچھلتی پھر رہی ہیں پھر آتش بازی ہے کہ اس نے ایک عالم برپا کر رکھا ہے۔ اب یہ جلوس نواب مظفر خان کے گھر پہنچتا ہے اور اس کے بعد وہاں کی میزبانی اور نواب مظفر خان نے اپنی لڑکی کو جو جہیز دیا اس کا بیان کیا گیا ہے۔ اس بیان میں بھی ایک ترتیب، ایک اہتمام رکھا گیا ہے۔ پہلے تو بیان کیا ہے کہ چاند (بیٹی) کو سورج (بادشاہ) کو دیا اور اس کے ساتھ عقیق یمانی کے مرتبان، لعلِ بدخشاں کے کیف دان، نباتات و جمادات میں سب کچھ خطائی غلام، چلبی کنیزیں انگوری، تمری، بھوری شراب، زبرجد کے شیشے اور زمرد کے جام ساتھ دیے۔ کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے کی سب چیزیں بخش دیں۔ زر و سیم کے بے حساب ظروف جن کا شمار نہیں اور دنیا بھر کی چیزیں۔ دعائیہ اشعار پر مثنوی ختم ہوتی ہے۔

تو بہتر کہ شوقی ز راہ صواب
دعا دو کرے جو اچھے مستجاب

سدا جیو راجے جنم راج کر | جو دشمن موندی تل کرے لاج کر
کرے راج جو لگ گگن دھر تری | کرے راج جو لگ پُرب استری

شہر یار خاطر کے تیں یاد کر
قیامت لگوں یو رہیے یادگار

اس مثنوی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس سے نہ صرف اس زمانے کے رسم و رواج، عادات و اطوار، طور طریقے، ادب آداب، کھانے پینے اور اوڑھنے کے ڈھنگ اشیائے استعمال، ظروف و آرائش کی چیزیں، شراب و کباب، ناچ رنگ، رقص و سرود شادی کی دھوم دھام، رنگ رلیاں، شوخی و شرارت، برات اور اس کا اہتمام اور جہیز کی تصویر اُبھرتی ہے بلکہ آج سے کئی صدی پہلے کی معاشرت و تہذیب بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس تصویر میں ہند مسلم ثقافت کے وہ نقوش نظر آتے ہیں جو مغلیہ دَور میں ملک گیر سطح پر اپنے عروج کو پہنچے۔ بہمنی سلطنت اور اس کے بعد ان ساری سلطنتوں میں "ہند مسلم ثقافت" کے یہ عناصر بڑھتے پھیلتے نظر آتے ہیں۔ یہ وہ عناصر ہیں جن میں ہندستانی مزاج و تہذیب مسلمانوں کے رنگ میں رنگ کر ایک نئے نقش و نگار اور تہذیبی قوت کے ساتھ اُبھرے تھے جن میں ہندوستان کی مثبت قدریں بھی تھیں، اور مسلمانوں کی ترقی پذیر تہذیبی قوت بھی۔

دوسری خصوصیت اس مثنوی کی یہ ہے کہ یہاں شوقی کا قلم زیادہ جماؤ اور روانی کے ساتھ چلتا نظر آتا ہے۔ اس میں شاعری بھی زیادہ ہے اور تخیل کی پرواز بھی۔ پوری مثنوی میں ایک چلت پھرت، ایک ہنگامے، ایک دھوم دھام کا احساس ہوتا ہے، اور پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اسی شادی میں شریک ہے۔ مثنوی کے لہجہ و آہنگ میں شادمانی، سرمستی اور خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ ساری فضا رنگین اور بھیگی ہوئی ہے اور چاروں طرف رنگ ہی رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔

قدیم زبان کا مزاج اور روایت یہاں بھی موجود ہے لیکن فارسی اسلوب کا مزاج و آہنگ "فتح نامہ نظام شاہ" کے مقابلہ میں زیادہ گہرا ہو گیا ہے۔ فارسی عربی الفاظ کی تعداد بھی بڑھ گئی

ہے، مثلاً شنگرف، لاجورد، ارژنگ، مشبک، مینائے مینو، بیت ربی، سرسرفرازان عیسیٰ مریم، ترنیخ زرد، جدول، گل ارغوانی ولالہ نفیس، مشکِ اذفر، فلک کارگاہ، میخ سیمیں وزریں طناب، بارگاہ رنگ آمیز، ماہِ عالم مشجرِ مطبق، غلامانِ حلقہ بگوش، کنیزانِ زربفت پوش، ملائک فریب، ملائکِ شکار اور اسی قسم کے الفاظ و تراکیب عام طور پہ استعمال میں آئی ہیں۔ جب ہم میزبانی نامہ کا مقابلہ "فتح نامہ" سے کرتے ہیں تو فتح نامہ پہ ہندوی اسلوب کا اثر نمایاں طور پہ محسوس ہوتا ہے اور میزبانی نامہ میں فارسی اسلوب و آہنگ کا۔ دونوں مثنویوں میں پہلے شعر ہی سے زبان و مزاج کا یہ فرق سامنے آجاتا ہے۔ فتح نامہ کا پہلا شعر ہے ؎

الٰہی کرم کا کرن ہار توں
ہے اول و آخر بن ہار توں

اور میزبانی نامہ کا پہلا شعر

اول یاد کر پاک پروردگار
پچھیں شاد کر شاہ عالی تبار

میزبانی نامہ میں قافیے بھی زیادہ صحت کے ساتھ باندھے گئے ہیں۔ تلفظ و املا بھی فتح نامہ کے مقابلہ میں نکھر سنور گیا ہے۔ میزبانی نامہ میں شاعری اور تخیل نے مل کر مثنوی کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔ ایک جگہ حسن شوقی یہ دکھاتا ہے کہ قیمتی پتھر سے بنی ہوئی حوضیں ہیں۔ اور اُن میں فوّارے چھوٹ رہے ہیں۔ اس بات کو شاعرانہ انداز میں یوں بیان کرتا ہے ؎

جیتے حوض خانے و تے ریشم کے
پُھہارے سو عشاق کی چشم کے

آتش بازی چھوٹ رہی ہے "ہوائی" سے چنگاریاں ساری فضا میں بکھر رہی ہیں۔ اُسے یوں ادا کرتا ہے۔

ہوایاں نہتیاں و و اہتیاں ناگنیاں
ہوا کے اوپر جا سنپولے جنیاں

(ہوائیاں نہیں تھیں بلکہ وہ ناگنیاں تھیں جنھوں نے ہوا میں اوپر جاکر سنپولے جنے)

ایک اور جگہ دھواں کہکشاں بن جاتا ہے ؎

نلا کھینچ کر تیز آتش فشاں
دھنواں جا گگن میں ہوا کہکشاں

جب برات نواب مظفر خاں کے ہاں پہنچتی ہے تو بادشاہ کے بارے میں یہ خوبصورت پیرایہ اختیار کرتا ہے ؎

بیٹھا سوُر جب نور کا تاج کر | بیٹھی رات کوہ قاف میں لاج کر
سلیماں کوں آصف نے مہماں کیا | عجائب غرائب بہوت کچھ دیا
دیا چاند کوں سور کے سات کر | دیا نور کوں نور کے سات کر

حسین و جمیل لڑکیوں کے رنگ روپ کو کتنی خوبصورتی سے پیش کرتا ہے ؎

سنگل دیپ کیاں پدمنیاں بیشمار | سیہ نیشکر قد و جو بن انار
دہن تنگ، نرم انگ، باریک تر | شبِ قدر سے بال تاریک تر

ایک اور خصوصیت جو حسن شوقی کے ہاں خاص طور پر متاثر کرتی ہے یہ ہے کہ وہ خیال و احساس کو لفظوں کے ذریعہ پیش کرنے پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔ وہ اس کیفیت کو لفظوں کی نئی جھنکار اور تکرار سے یکساں حروف والے الفاظ کے استعمال سے لفظوں میں سمیٹنے پر قادر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ہاں لفظوں میں طرح طرح کی آوازیں سنائی دیتی ہیں مثلاً چھپا چھپ، لبالب، شباشب۔ نگار انگار، ہزاراں ہزار، قطاراں قطار، جھیلے جھیلے، جھکجھکاٹ، لکلکاٹ، روارو، دوادو، ہٹ تٹ کھٹ پٹ وغیرہ کے الفاظ سے وہ ان رنگارنگ آوازوں کو ابھارتا ہے۔ یہی احساسِ موسیقی اس کے اشعار میں پھوار کی سی نرمی پیدا کر دیتا ہے۔ طبل کی آواز سنیے ؎

طبل ڈھول جم جم کریں دھمدھاٹ

رقاصاؤں کی تیزی اور سرعت رفتاری دیکھیے ؎

"بھمبریاں بھیں یوں نہ پھرکیاں پھریں"

یا

ع الا پیں و ناچیں سو بید نگ میں

ع سونا رنگ بر رنگ بجید نگ میں

نوجوان لڑکیوں کو دیکھیے

ع سلونیاں سلکھن سگند باس کیاں

ع کنورکال کیاں جھنور چال کیاں

اگر ان اشعار کی شعریت کو، شاعرانہ تشبیہ اور حسنِ بیان کو تخیل کی کرشمہ سازی کو قدیم زبان کی اجنبیت کے پردے ہٹا کر دیکھا جائے تو ایک حقیقی شاعر اپنی قادر الکلامی کے ساتھ شعر کے ساز چھیڑتا نظر آتا ہے اور جس کے زبان و بیان میں ایک ایسا خمیر اُٹھ رہا ہے جو ادبی اسلوب کو دسویں اور گیارھویں صدی کے دور میں ایک نیا رنگ روپ دے رہا ہے۔ یہی شعریت حسن شوقی کی غزلوں میں اور نکھر سنور کر آئی ہے۔

(۵)

حسن شوقی کی غزلیں اسی روایت کا ایک حصّہ ہیں جس کے فراز پر ولی دکنی کی غزل کھڑی ہے۔ ان غزلوں کو جدید معیار سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ لیکن یہ غزلیں اپنے مزاج کے اعتبار سے جدید غزل کی ابتدائی روایت اور رنگ روپ کا ایک حصّہ ہیں۔ حسن شوقی کے ذہن میں غزل کا واضح تصوّر تھا۔ وہ غزل کو عورتوں سے باتیں کرنے اور عورتوں کی باتیں کرنے کا ذریعۂ اظہار سمجھتا ہے۔ سب غزلوں میں بنیادی تصوّر یہی ہے۔ اسی لیے اپنی غزلوں میں وہ جذباتِ عشق کا اظہار کرتا ہے۔ محبوب کے حسن و جمال کی تعریف کرتا ہے اور عشقیہ جذبات کے مختلف رنگوں اور کیفیات کو غزل کے مزاج میں گھلاتا ملاتا نظر آتا ہے۔ اس کے ہاں غزل کے خیال، اسلوب، لہجہ اور طرزِ ادا پر فارسی غزل کا اثر نمایاں ہے۔ شوقی نہ صرف اس اثر کا اعتراف کرتا ہے بلکہ ان شاعروں کا ذکر بھی کرتا ہے جن سے وہ متاثر ہوا ہے۔ یہاں خسرو ہلالی بھی ملتے ہیں اور انوری و عنصری بھی ؎

جب عاشقاں کی صف میں شوقی غزل پڑے تو | کوئی خسروی، ہلالی، کوئی انوری کہتے ہیں
ہمارا حسن ہے شوقی معلم ذہن کوں تیرے | سبق کچھ عنصری کا یاد رس کچھ انوری کا ہے

دوسری چیز جس پر حسن شوقی اپنی غزل میں زور دیتا نظر آتا ہے۔ مٹھاس اور گھلاوٹ ہے۔ غزل کی روایت کی ابتدائی حالت، زبان کی خامی اور بیان کے کھردرے پن کے باوجود مٹھاس اور شیرینی اس کی غزل کے وصف ہیں۔ ایک مقطع میں شیرینی کی صفت بیان کرکے غزل کی روایت کے تصور کو واضح کرتا ہے ؎

شوقی شکر غزل کی کھنڈیاں سوں بانٹتا ہے
طوطی طبع کوں میرے یک من شکر نہ بھیجا

عشقیہ جذبات کا مٹھاس اور گھلاوٹ کے ساتھ اظہار آج تک اردو غزل کی روایت کا حصّہ ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ جذبات کے اظہار کو موثر بنانے کے لیے اردو غزل نے سوز و ساز کو بھی اپنے مزاج میں سمو کر ایک نیا رنگ دیا ہے۔ حسن شوقی نے بھی فارسی غزل کے اتباع میں سوز و ساز کو اُردو غزل کے مزاج میں داخل کیا اور آج سے تقریباً چار سو سال پہلے ایک ایسا روپ دیا کہ نہ صرف اس کے ہم عصر اس کی غزل سے متاثر ہوئے بلکہ آنے والے زمانے کے شعراء بھی اسی روایت پر چلتے رہے۔ ولی کی غزل روایت کے اسی ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے ؎

اگر اس شعر میرے کوں کوئی جا کر سنا دیوے
تو اوس کے سوز کوں سُن کر دکھو شوقی حسن لرزے

"لرزنا" اثر کا انتہائی عمل ہے اور حسن شوقی شعوری طور پر اس عمل کو اپنی غزل کے مزاج میں شامل کرتا ہے۔

اس کی غزل، قدیم زبان اور متروک الفاظ کے باوجود آج بھی بے کیف و بے اثر نظر نہیں آتی بلکہ سوز و شیرینی کے ملے جلے اثرات دل کے تاروں کو آج بھی مرتعش کرتے ہیں۔ اپنی غزلوں میں مٹھاس اور گھلاوٹ کا اثر پیدا کرنے کے لیے شوقی عام طور پر رواں بحروں کا انتخاب کرتا ہے۔ یہ عمل بھی سوز و ساز اور شیرینی پیدا کرنے کی کوشش سے پیدا ہوتا ہے ؎

عجب کیا ہے جو پاوے توں بقا توشہ فنا کا لے ۔۔۔ اثر تیرے دہن کا کچھ اگر راہِ عدم پکڑے

اگر مجنوں کی تربت پر گذر جاؤں دیوانہ ہو　　　کہ مجنوں حال میرے کوں جو دیکھے دو کفن لرزے

اے ترک شوخ سرکش یتی نہ سرکشی کر　　　میں با نیاز تجہ سوں مجہ سوں تو بے نیازی

یا زلف یا تحریر ہے یا دام عالمگیر ہے　　　یا سحر کی زنجیر ہے جگ کی پریشانی سبب

نرمل بدن نورانی ہے لیلتہ البدر تے　　　جگ میں ہوا اندھارا تجہ زلف شب قدر تے

تجہ زلف کے رین میں جھمکے مرنگ عذارا　　　کوئی چاند کوئی زہرا کوئی مشتری کتے ہیں

شوقی کی غزل میں تصورِ عشق مجازی ہے۔ اس کا ذکر وہ بار بار مختلف انداز سے اپنی غزل میں کرتا ہے۔ یہاں ناصح کی نصیحت کی روایت بھی نظر آتی ہے۔ مذہبِ عشق اختیار کرکے اسلام و کفر ہیں عشق کے تعلق سے 'کافری پہ بھی فخر کیا جاتا ہے۔ گل پیرہن' شمع و پروانہ' گل و بلبل، گلزار و یاسمن، ہشیار و دیوانہ، زاہد و ناصح، وامق و عذرا، لیلیٰ مجنوں، خسرو شیریں فرہاد' زلفِ پیچاں اور رقیب کی روایت بھی غزل میں جال سا بنتی نظر آتی ہے۔

نکو ناصح نصیحت مجہ بجز عاشق دعا دا رہی !　　　ہمیں کچھ اور سمجھے ہیں نمازی ہور نیازی میں

اگر عشقِ حقیقی میں نہیں صادق ہوا شوقی　　　وے مقصود خود حاصل کیا ہے عشق بازی میں

عشاق در حقیقت وے بھی کہے ہیں کافر　　　یعنی علم ہوا ہوں در مرکب مجازی

مجے زاہد نکو کہتے جتے اس شہر کے عالم　　　ولے مجہ میں نیں سمجھے کے نکتا کافری کا ہے

شوقی ہمارے عشق میں کئی زاہداں مشرک ہوئے　　　اس مذہب کفار میں تیری مسلمانی کدر

عاشق گری مذہب منے قبلہ مجازی نیں روا　　　قبلہ حقیقت کا یہی دلدار تجہ دیدار کا

تجہ زلف تے پیچاں اگر مشرک ہوا تو کیا عجب　　　اسلام میں جی ہے زبوں اور کفر میں بل کھٹ ہوا

کہیں وامق کہیں عذرا کہیں مجنوں کہیں لیلیٰ　　　کہیں خسرو کہیں شیریں کہیں فرہاد ہوا ہے

بن گل کیا ہے بلبل او گل بدن کہاں ہے　　　جن من ہر با ہمارا سو من ہرن کہاں ہے

کیے افسوں گراں مجہ کوں نہ کام افسوں گری کا ہے　　　کہیں ہشیار نہ ہوسے دیوانہ کس پری کا ہے۔

در بزم ماہ رویاں خورشید ہے سر یمن　　　میں شمع ہوں جلوں گی وہ انجمن کہاں ہے

اے بادِ نو بہاری گر توں گزر کرے گا　　　گلزار تے خبر لیا او یاسمن کہاں ہے

شمع کے سوز میں سکھ نیں وتے آرام ہے دن کوں　　　گھٹی ہے عمر سب میری سو نسدن جانگزاری میں

غزل کے اِن اشعار میں فارسی روایت، اس کے رمزیات و صنمیات غزل کے رُخ پر چھا گئے ہیں اور یہی موضوعات، یہی کنایات، یہی طرزِ ادا، اوزان و بحور، قافیہ و ردیف کا التزام آگے چل کر پھیل کر، نکھر کر ولی کی غزل میں ایک نئے معیار کو چھوتے ہیں۔

حسن شوقی کی غزل میں "جسم" کا احساس شدّت سے ہوتا ہے۔ وصال کی خوشبو اڑتی محسوس ہوتی ہے۔ محبوب اور اس کی ادائیں، حسن و جمال کی دلربائیاں، آنکھوں کا تیکھا پن، خدوخال کا بانکپن، موتی سے دانت، کلیوں جیسے ہونٹ، کنٹھن ہیرے کی طرح تل، سرو قدی، مکھ نور کا دریا، دلِ عاشق کو پھونک دینے والا سراپا اس کی غزل کے مخصوص موضوعات ہیں۔ یہاں غزل میں جذبات کا اظہار ابھی اثر انگیز ہو جاتا ہے ؎

نین کے پانو گر جاؤں سجن جب گھر بلاوے مجھ
نہ جاگوں گی قیامت لگ اگر گل لگ سلاوے مجھ

نین سو پھول نرگس کے کلی نا سکھ سو چمپے کے
گلا لاں موز گلشن میں سریجن کو تی لجاتی میں

نہ کر تعریف مجنوں کی کہ الماضی و لا یذکر
ہمارا عشق مستقبل ہوا ہے کارسازی میں

از مبند تا خراساں خوشبو کیا ہے عالم
تس شاہ مشکبو کا گل پیرہن کہاں ہے

خوباں کی انجمن میں لالن ہوتے ہیں ساقی
نرمل شراب نہ کا یک جام بھر نہ بھیجا

شربت اپیں ادھر کا گر مجہ پلاو پیائے
بے سد ہوا ہے شوقی تجہ عشق کے اثر تے

لباس خسروانی کر چھندوں سے سیم تر نکلے
سراسر ناز کا لشکر برابر جھاڑ کر نکلے

حسن شوقی کو احساس ہے کہ وہ غزل کی روایت کو نیا رنگ دے کر آگے بڑھا رہا ہے۔ یہی احساس شاعرانہ تعلی کے پیرایہ میں اس کے مقطعوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ حسن شوقی کے مقطعے اس اعتبار سے خاص اہمیت رکھتے ہیں کہ وہ ان میں اپنے اندازِ فکر، پسند و ناپسند اور طرزِ احساس پر روشنی ڈالتا ہے۔ چند مقطعے اس سے پہلے مثالوں میں لکھے جا چکے ہیں۔ اب دو مقطعے اور دیکھیے ؎

جن یو غزل سنایا جلتیاں کوں پھر جلایا
وہ رند لاابالی شوقی حسن کہاں ہے

شوقی کی ہے پیاری ہنس ہنس کہے سو ناری
افضل غزل تماری جو سور ہے گگن میں

ان اشعار کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ اردو غزل کی روایت کے وہ

ابتدائی نقوش میں جہاں غزل کی روایت جم کر کھل کر پہلی بار اس انداز میں اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔ شوقی کی غزل موضوعات اور اسلوب و طرزِ ادا کے اعتبار سے بھی اردو غزل کی مجموعی روایت ہی کا ایک حصّہ ہے۔ یہاں فارسی اور ہندی ڈگ سخن دونوں ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں لیکن جیسے بحیثیت مجموعی عبدل کے ہاں ہندی رنگ غالب رہتا ہے۔ حسن شوقی کے ہاں فارسی طرز کا رنگ و آہنگ نمایاں ہو کر اُبھرتا ہے۔ اس دور کے دوسرے اور اس سے پہلے کے شعراء کے ہاں جن کی غزلیں مختلف بیاضوں میں میری نظر سے گزریں۔ غزل کی ہیئت اپنی مخصوص روایت اور مخصوص مزاج کے ساتھ نہیں آتی۔ مثلاً یہ اس زمانہ میں عام دستور تھا کہ صرف ردیف پر غزل کی ہیئت قائم کی جاتی تھی لیکن شوقی کے ہاں قافیہ اور ردیف دونوں غزل کا جزو بن کر آتے ہیں۔ یہاں صنائع بدائع کا اہتمام بھی ملتا ہے۔ تجنیس لفظی اور حسن تعلیل بھی حسن شعر میں اضافہ کرتے ہیں۔ غزلِ مسلسل بھی ملتی ہے۔ شوقی کے ہاں غزل کی مختلف روایتیں مل جل کر ایک نقش بناتی ہیں اور یہی حسن شوقی کی اہمیت ہے۔

شوقی کی غزلوں میں محبوب عورت ہے اور مرد اپنے عاشقانہ جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن ہندی روایت کے مطابق دو چار جگہ عورت بھی اپنے جذبات کا اظہار کرتی، مچلتی اٹھکیلیاں کرتی نظر آتی ہے۔ حسن شوقی اپنی غزلوں میں سامنے کی تشبیہات استعمال کرتا نظر آتا ہے۔ آج یہ اس لیے سامنے کی معلوم ہوتی ہیں کہ حسن شوقی کے بعد سینکڑوں، ہزاروں شاعروں نے انھیں استعمال کر کے پامال کر دیا ہے لیکن جب آج سے تقریباً چار سو سال پہلے اردو غزل میں حسن شوقی نے بھنوؤں کو محراب، نبلوں کو دیا، زلف کو شبِ تاریک، چہرہ کو چاند، مکھ کو نور کا دریا، زلف کو تحریر، دامِ عالمگیر، سحر کی زنجیر کہا یا دَسن موتی۔ ادھر کلیاں، نیل ول، تل کٹھن ہیرا کہا۔ دل کو سنگِ مرمر سے تشبیہ دی یا آنکھوں کو چاندی کی دوات کہا، جس میں سیاہی بھری ہے تو اس وقت یہ تخلیقی عمل غزل میں ایک نئی چیز تھا اور یہ تشبیہیں نادر، اچھوتی اور یہ اندازِ بیان، یہ اسلوب، لہجہ و آہنگ، یہ رچاوٹ غزل میں ایک منفرد چیز تھی۔ اس نے نئی نئی زمینیں نکالیں۔ خوبصورت بحروں میں قافیہ اور ردیف کو معنوی رشتہ میں پیوست کیا۔ غزل کی ہیئت کو خارجی و داخلی طریقہ پر استادانہ انداز سے استعمال کیا۔ اس نئے پن،

پختگی اور انفرادیت کی وجہ سے نظام شاہی دربار کے اس شاعر کی شہرت سارے دکن میں پھیل گئی اور شوقی کا تخلیقی عمل اس وقت کی شاعری میں ایک اثر بن کر قائم ہو گیا اور وہ سارے دکن کے شعراء کے لیے غزل کے "جدید اسلوب" کا نمائندہ بن گیا۔

(۶)

دسویں صدی ہجری کے تین اور شاعروں کے نام ہم تک پہنچے ہیں جن کی استادی کا اعتراف اُن کے بعد کی نسل نے کیا ہے۔ میری مراد محمود، فیروز اور ملا خیالی سے ہے۔ محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ - ۱۰۲۰ھ) نے غزل کے ایک شعر میں اپنی شاعری کا محمود اور فیروز کی شاعری سے مقابلہ کرتے ہوئے کہا میرے شعر ایسے ہیں کہ اگر محمود و فیروز سنیں اور بے ہوش ہو جائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ؎

اگر محمود ہور فیروز بیہوش ہوویں عجب کیا ہے
ہوئے تج وصف نا کر سک ظہیر ہور انوری بیہوش

ملا وجہی نے اپنی مثنوی قطب مشتری (۱۰۱۸ھ) میں فیروز و محمود کو جس انداز سے یاد کیا ہے محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں شاعری میں نادر تھے اور اس مخصوص مزاج کی داغ بیل جو وجہی کے کلام میں نظر آتی ہے، انھوں نے ڈالی تھی ؎

کہ فیروز محمود اچھتے جو آج
تو اس شعر کو جوت ہوتا رواج

کہ نادر تھے دونوں ہی اس کام میں
کیا نیں کینے بول اچھوں نام میں

ابن نشاطی نے ملا خیالی کے کمالِ فن کی یوں داد دی ہے ؎

اچھے تو دیکھتے ملا خیالی
یو میں بر نیا ہوں سب صاحب کمالی

فیروز، محمود اور ملا خیالی گولکنڈہ کے شاعر تھے لیکن جب ابن نشاطی نے پھول بن (۱۰۶۶ھ) لکھی تو حسن شوقی کی شہرت سارے دکن میں پھیل چکی تھی اور وہ ہر بڑے شاعر کی طرح کسی مخصوص

علاقہ کا شاعر نہیں رہا تھا ؎

حسن شوقی اگر ہوتے تو فی الحال
ہزاراں بھیجتے رحمت مجہ اُپرا ل!

حسن شوقی کی زندگی ہی میں محمود، فیروز اور خیالی وفات پا چکے تھے۔ ان چاروں شاعروں کا جب ایک ساتھ مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ حسن شوقی، محمود، فیروز اور خیالی کی روایت کو آگے بڑھا کر غزل کو ایک ایسے لہجے اور مزاج سے آشنا کرتا ہے کہ یہ باقاعدہ روایت بن کر شاہی، نصرتی، ہاشمی اور دوسرے شعرا سے ہوتی ولی دکنی تک پہنچتی ہے۔ یہاں مزاج میں مماثلت کا احساس ہوتا ہے۔ یہاں غزل کی ایک مخصوص روایت کے بننے سنورنے کا پتا چلتا ہے۔ فیروز کی ایک غزل دیکھیے ؎

سرو قدت سہاوے جو نو بہار بن میں
نازک نہال پنپیا اس جیو کے چمن میں

دو نین ہر قدم تل میں فرش کر بچھاون
جوں ہنس چلے ٹک تے سو دھن ہنڈے انگن میں

یاقوت تے سرنگی دو لعل ہر ادھر تجہ
کیوں کر عقیق ہوں گے اس رنگ کے یمن میں

جس بزم میں بی جھلکے میرا جو چاند سب نس
روتا اچھوں و جلتا جیوں شمع انجمن میں

تیری کمر کی ہاوی سک سکھ ہوا جو دُبلا
جیوں تار پیراہن کا یہ تار پیراہن میں

گوریاں سہیلیاں میں سب جگ کیاں زیاں بساں
جب سانولی سکھی سوں مائل ہوا و کہن میں

فیروز بے صمد کا دیکھیں جمال صوری
ہر حال اس صنم کا آکھیں خیال من میں

اب ملا خیالی کی ایک غزل بھی اسی زمین میں دیکھیے ؎

بالی سروپ سو دھن جوں پوتلی نین میں
صاحب جمال ایسے سکیے نہ کوئی لگن میں

سنسار کے جتارے لکھنے ملیں ہیں سارے
تک دیکھ سُد لسارے گم ہو رہے اپن میں

تجہ کیس گھونگر والے بادل پٹیاں ہیں کالے
تس مانگ کے اُجالے بجلیاں اُٹھیاں گگن میں

لماریاں بھوواں اُٹل ہے کالا سمند کجل ہے
جل میں نین کمل ہے پتلیاں بھنور نین میں

نارنج پھول جانی تس پھول آسمانی
دو پھول زعفرانی اُپجے ہیں سیم تن میں

اُپجے اُتم رنج سوں درج سے کھڑے ہیں سچ لا
ٹلے نہ مست گج سوں ہوسی نہ کس بتن میں

مکتے سو دوئے کلالاں جھمکے سو جوت کالاں ۔۔۔ کس نور کیاں ہلالاں چند سورے بدن میں

یہ بول بولتا ہوں موتی سوں رولتا ہوں ۔۔۔ امریت گھولتا ہوں کھٹ دودھ کے انجن میں

فارسی میں ہے ہلالی ترکی میں ہے جمالی ۔۔۔ دکھن میں ہے خیالی اس شاعری کے فن میں

حسن شوقی کی غزل بھی اسی زمین میں ہے۔ یہ بھی اُن دونوں غزلوں کے ساتھ پڑھیے ــ

جوبن سوں قد سہادے لٹکے جو حسن اگن میں ۔۔۔ دو پھول پریاں سوں ڈالی دستی ہے جیو چمن میں

جب دھن انگن کھڑی ہے تن ابر بن پری ہے ۔۔۔ تخت حسن کا پڑی ہے دل مل رہیا دہن میں

خوش مانگ لا سنوارے موتی دسیں جو تارے ۔۔۔ جیوں چاند سوں ستارے اوکھے ہیں سیام گھن میں

راتے نین سرنگ ہیں دو مست ہوں ترنگ ہیں ۔۔۔ کرتے اپس میں جنگ ہیں مکہ نور کے صحن میں

تجہ مکہ دسے خراساں لوچن دسے ہندوستان ۔۔۔ راتے ادھر بدخشاں بتایمن دسن میں

سہتا الک سو کالا دستا ہو نمک بالا ۔۔۔ بستا ہے بنگالا تجہ نین کے انجن میں

عاشق ہو تجہ پلو ہویں سد بدا اپس جو کھوویں ۔۔۔ مجنوں فرہاد رووں یہ ناز تے کفن میں

دیتا ہے تجہ الٰہی ناریاں کی پادشاہی ۔۔۔ حوراں منے دُھائی تیری یو تر بھوُن میں

شوقی کی ہے پیاری ہنس ہنس کے سو ناری ۔۔۔ افضل غزل تماری جو سوُر ہے گگن میں

اِن تینوں غزلوں کو ایک ساتھ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تینوں شاعر مزاج کے اعتبار سے، رنگ روپ کے اعتبار سے، احساس و فکر کے اعتبار سے ایک ہی روایت کے حامل ہیں اور غزل کا یہی وہ رنگ اور زبان و اسلوب کا یہی وہ ڈھنگ تھا جو اس دَور میں نیا اور منفرد تھا اور جس کی وجہ سے اُن کی استادی کی دھوم سارے دکن میں مچ گئی تھی اور آنے والے شعرا نے اسی طرزِ ادا۔ اندازِ فکر کو اپنا کر اپنی شاعری کے خدوخال سنوارے تھے۔ یہاں ایک اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے۔ غزل میں زبان کی قدامت کے باوجود جدید اسلوب کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ ملا خیالی اور حسن شوقی دونوں کے ہاں ہر شعر میں چار قافیے آرہے ہیں۔ پہلے مصرعے میں دو اور دوسرے مصرعے میں ایک ہم قافیہ الفاظ استعمال کیے جارہے ہیں اور چوتھا مطلع کا ہم قافیہ ہے۔ مثلاً خیالی کے ہاں پہلے مصرعے میں چتارے سارے، دوسرے میں لبارے اور چوتھا قافیہ 'این'، مطلع کے "نگھن" کا ہم قافیہ ہے۔

اسی طرح اٹل، کجل، کمل اور بچھر نین۔ حسن شوقی کے ہاں سنوارے، تارے، ستارے اور چوتھا قافیہ گگن مطلع کے "چمن" کا ہم قافیہ ہے۔ یہ التزام پوری غزل میں دونوں کے ہاں ملتا ہے۔ یہی عمل ہمیں فیروز کی دوسری غزل میں ملتا ہے جس کے یہ تین شعر دیکھیے ؎

لا کے پلک و کنہ تاب میں یوں رات دیکھیا خواب میں — تجہ نکہ بھنواں محراب میں دو نین دیوے لا گیا!
جھمکت جبیں ناہید ہے تجہ کر منے کا عید ہے — روشن نہ تیوں خورشید ہے انکہ بعبر نکس دکھلا گیا
فیروز کیتے کچہ نہیں ہے کیا ..... ہیچ نہیں — دنیا میں دیکھا رچ نہیں نبے دین کا بلکا گیا!

یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ فیروز اور حسن شوقی کی آوازیں ایک دوسرے سے کس قدر مل رہی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک کی آواز دوسرے کی آواز میں سے آ رہی ہے۔ دونوں ایک ہی رنگ کے پسند کرنے والے معلوم ہوتے ہیں اور دونوں کے ہاں نقش کا روپ بھی ایک ہی سا محسوس ہوتا ہے۔ دونوں روایت کے ایک ہی معیار پر چل رہے ہیں۔

اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب ایک غزل اور سنیے۔

جو کوئی تمارے عشق کی حالت ستے ماہر ہوا — چھوڑیا سگل اسلام کوں تجہ زلف میں کافر ہوا
جو کچہ ہوا اول سیتے سو ہور ہیا یاراں سنو — جس وقت اُمّے سے ظاہر ہونا جگ منے ظاہر ہوا!
ظاہر گنگا کے جل سیتی نہانا سو کچہ نیں اے چمن — خون جگر کے نیر سوں نہایا سو او طاہر ہوا
جو کوئی اپسکے ملنے دیکھیں اپس عیباں کہ تیں — عیباں اپس کے دیک کر دو جہا او پر ساتر ہوا
جس کو اپس کے منت کا جنت ملیا محمود سن — ہر لحظہ اپنے حال پہ ہر دم اد بہ ناظر ہوا

اگر مقطع سے چوری نہ پکڑی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ حسن شوقی اپنے لہجہ میں غزل کہہ رہا ہے۔ یہاں بھی یہ دونوں آوازیں مل کر ایک سی ہو جاتی ہیں لیکن یہ دوسری آواز اس محمودؔ کی ہے جس کا ذکر قلی قطب شاہ اور ملا وجہی نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ محمود کی یہ غزل پڑھ کر حسن شوقی کے کئی اشعار اور کئی غزلیں ذہن میں کھلبلی مچانے لگتی ہیں۔ مثلاً حسن شوقی کی وہ غزل جس کے دو شعر یہ ہیں۔

تجہ نین تے نرگس کھلی، عبہر کھلی، بنکش مچلی — تجہ خوبی تے دونا ہوا، مردا ہوا، بالا ہوا
تجہ بال کالے رات ہور بالا سو کیتے دلیں ہے — تجہ بال ہور بالا مگر ہنگام جبر کالا ہوا

یا وہ غزل جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

تجہ زلف نے پچھاں اگر مشرک ہوا تو کیا عجب | اسلام میں جی بے زبوں او کفر میں بل کھٹ ہوا
جو چرخ عالی قدر کا شمس الضحا بدرالدجا | اور تجہ بھواں کے دور میں تون ماہ نو گھٹ گھٹ ہوا

حسن شوقی کے ہاں محمود کی غزل کا مزاج زیادہ صاف ہوتا زیادہ نکھرتا محسوس ہوتا ہے وہ دبا دبا پن جو محمود کے ہاں دکھائی دیتا ہے حسن شوقی کے ہاں کھلتا، شوخ ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ یہ قدیم اردو غزل کی روایت کا وہ الگ دھارا ہے جس میں مشتاق، لطفی، محمود، فیروز، خیالی۔ حسن شوقی، محمد قلی قطب شاہ اور پھر نصرتی شاہی ہاشمی اور اُن کے بعد ان گنت شعرائے غزل اپنا خونِ جگر شامل کر کے اس روایت کو ولی دکنی تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس روایت کے راستے میں حسن شوقی ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اب سوال یہ سامنے آتا ہے کہ حسن شوقی کا یہ اثر شاعروں کی آئندہ نسل تک کیسے پہنچا؟ اس کا ایک سیدھا سادا سا جواب تو یہ ہے کہ آنے والے شعرا نے شوقی کو خراج تحسین دے کر اس اثر کو تسلیم کیا ہے۔ اگر ابنِ نشاطی حسن شوقی کی شاعری کو اہم نہ سمجھتا تو وہ اپنے "اسلاف شعراء" کے ساتھ حسن شوقی کا ذکر کیوں کرتا؟ لیکن اس کے علاوہ اس اثر کو دیکھنے اور تلاش کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آیا آئندہ نسل کے شعراء نے اس کے خیالات، مزاج، لہجے، اندازِ فکر اور تراکیب کو اپنایا ہے؟ کیا انھوں نے اس کی زمین میں غزلیں کہی ہیں؟ کیا انھوں نے اس کی استادی اور شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے؟ کیا انھوں نے اس کی غزلوں کی تضمین کی ہے؟ اس نقطۂ نظر سے جب ہم قدیم شعراء کا کلام اور قدیم بیاضوں کو ٹٹولتے ہیں تو ہمیں یہ اثر بہت واضح نظر آتا ہے۔ حسن شوقی کا یہ شعر پڑھیے ؎

تجہ نین کے انجن کوں ہو زاہداں دوانے
کوئی گوڑ، کوئی بنگالہ، کوئی سامری کتے ہیں

اب عادل شاہ ثانی شاہی (۱۰۶۷ھ - ۱۰۸۳ھ) کی غزل کا یہ شعر پڑھیے ؎

مجہ نین کے نگر میں لالن وطن کیے جب | تب انجن کے لوگاں خلوت اسے کتے ہیں

حسن شوقی کی دوسری غزل کا ایک اور شعر دیکھیے ؎

تجہ ناز کے بیداد تے ویراں ہوا ہے کانورو
تجہ لب شکر کے قول تے معمور بنگالا ہوا

اب علی عادل شاہ ثانی کی غزل کا ایک شعر دیکھیے ؎

سو ہے سو رنگ ڈورے سگل لو چین میں تج نکیر سے
اس نین کی تاثیر تے سب گوڑ بنگالا ہوا

پہلی غزل میں شوقی اور شاہی کے ہاں بحر ایک ہے۔ شوقی نے ساوری، مشتری، انوری" قافیہ اور "کتے ہیں" ردیف استعمال کی ہے۔ شاہی نے ردیف کو باقی رکھا ہے اور قافیہ کو "صفت، خلوت، وصلت، حکمت، عشرت" کر دیا ہے۔ دوسری غزل میں دونوں کے ہاں بحر، ردیف و قافیہ ایک ہے لیکن شاہی کے ہاں، شوقی کی غزل کے پیش نظر، شعوری طور پہ کوشش ملتی ہے کہ وہ قافیہ استعمال نہ کیا جائے جو استاد شوقی باندھ چکے ہیں۔ شوقی کی غزل میں سات شعر ہیں۔ شاہی کی اس غزل میں چودہ شعر ہیں۔ شوقی نے " نالا، متوالا، کالا، بالا، بنگالا، قافیے باندھے ہیں۔ شاہی نے متوالا اور بنگالا کے علاوہ شوقی کا کوئی قافیہ استعمال نہیں کیا بلکہ ہالا، جالا، اجیالا، جھالا، لالا، گالا، تھالا، مالا، ڈالا، نرو الا قافیے باندھے ہیں۔ شاہی کے ہاں شعوری طور پر مضمون کو الگ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن جب شاہی مقطع پر آتا ہے تو " ترازو" کا کنایہ اس کے ہاں بھی در آتا ہے۔ شاہی کا مقطع ہے ؎

رب سس تے مل شاہی نیں جب تولیا ہے تیرے حسن کوں
ڈنڈی وسے سُد کہکشاں آکاس سو بھتالا ہُوا

اور حسن شوقی کا مقطع ہے ؎

شوقی ہماری برہ کا راساں جیوں جو کھیا فلک
پاسنگ اس میزان کا کادیل نر نالا ہُوا

آیئے حسن شوقی کے اس تخلیقی اثر کی تلاش میں آگے چلیں۔ قدیم بیاضوں میں بہت

سے شاعروں کا کلام میری نظر سے گزرا۔ ان میں اشرف، تائب، رحیمی، قریشی اور یوسف کے نام نمایاں ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ کسی کی زمین میں غزل کہنا یا کسی کی غزل کی تضمین کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ شاعر ایک اثر کی حیثیت سے ذہن میں بیٹھ گیا ہے اور دوسرا اس کی برتری کو تسلیم کر کے اس کے خیالات کو پھیلا کر اس کے مزاج کو اس کے انداز کو، اپنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ آگے بڑھنا انسانی فطرت ہے اور اسی سے انسان کی تخلیقی انا کی تسکین ہوتی ہے۔ جب اشرف شاعرانہ تعلی کے انداز میں اپنی غزل کی انفرادیت ابھارتا ہے تو یہ راستہ اکیلے طے نہیں کرتا بلکہ استاد شوقی کی شاعرانہ شہرت کا سہارا لے کر دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور یہ شہرت ایسی ہے جسے معاشرے نے عام طور پر قبول کر لیا ہے۔ اشرف کا یہ شعر شوقی کی شہرت اور شاعرانہ حیثیت کے بارے میں ہماری آنکھوں سے کتنے پردے اٹھا رہا ہے ؎

سارے لوگاں کتے ہیں اشرف کا شعر سُن کر
کیا پھر جیا ہے شوقی یاراں مگر دکن میں

اسی اشرف کی تضمین کے دو بند دیکھیے ؎

نکرناصح نصیحت مجہ سنیا جب بند و بست آخر
ہلیں بے قید مشرب ہیں رہتے جیوں شیر مست آخر
سنو چیت لائے کر مُنا کتے یو مے پرست آخر
صف عقل و زاہد بھی ترت پاویں شکست آخر
اگر غمزیاں کے لشکر سوں وہ شاہِ صف شکن نکلے

عجب دستے ہیں تو شاعر تخلف پر تکلف ہے
ہُوتے مدہوش حیرت سوں نگر دشیاں کی یو صف ہے
سمجھنا غور سوں شوقی کہ یو تفسیر مصحف ہے
جہاں کے شاعراں بھیتر عجب عاجز یو اشرف ہے
اسی ملک دکن میانے مگر شوقی حسن نکلے

اشرف کی اس تضمین میں شوقی کا لہجہ واضح ہے۔ لفظوں کی ترتیب اور جماؤ سے پیدا ہونے والا آہنگ اور فضا حسن شوقی کے آہنگ و فضا سے بے حد مماثل ہے۔ نگر ناصح نصیحت مجہ بے قید مشرب، مے پرست آخر، وحشیاں کی یوصف ہے، تفسیر مصحف کے استعمال میں، انداز میں شوقی کی آواز صاف سنائی دے رہی ہے اور یہی وہ آواز ہے جو اس دور کی غزل میں بہت واضح اور بعد میں دوسری آوازوں میں گھل مل کر اور اُن کی لے کو بدلتی، خود جذب ہو جاتی ہے۔

اسی بحر اور ردیف میں شوقی کی ایک غزل مجھے ملی لیکن اس کا قافیہ بھنور، نیشکر، پر لنگر ہے۔ اسی ردیف میں شوقی کی یہ کوئی دوسری غزل ہے جس کا قافیہ شکن اور حسن وغیرہ ہے۔ حسن شوقی کی اُس غزل کا ایک شعر یہ ہے ؂

لباس خسروانی کر چھندوں تے سیم بر نکلے
سراسر ناز کا لشکر برا بر جھار کر نکلے

ردیف "کتے ہیں" والی شوقی کی وہ غزل تو آپ کے ذہن میں ہو گی جس میں شاہی نے بھی غزل کہی ہے۔ اب رحیمی کی غزل بھی اسی زمین میں دیکھیے ؂

روشن بیان مکھ کوں سو رانوری کتے ہیں — تیرے دسن کوں ہیرے سب جوہری کتے ہیں
شیریں لباں کوں تیرے بولیں اصل کی تشبیہ — جوبین کوں تیرے کوئی ساحری کتے ہیں
ثانی نہیں جو اس کے خوباں منے جہاں کے — زہرا کتے سو اس کوں کوئی مشتری کتے ہیں
خوشبو حسن کا تیرا نکلیا جگت کے میانے — ہے مشک بو ختن کا کوئی عنبری کتے ہیں
کنے صفت حشر لگ عاجز نہو رحیمی — مردوں کی صف میں شہ کا تجہ شاعری کتے ہیں

شوقی کی زمین میں غزل کہنے کے علاوہ، جو اثر قبول کرنے کی خود ایک علامت ہے، رحیمی کی آواز میں، اس کی تراکیب میں، لفظوں کے جماؤ میں شوقی کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی ہے۔ رحیمی بھی شوقی کی طرح "دسن کو ہیرے" کہہ رہا ہے۔ شوقی کا یہ مصرع یاد کیجیے ؏

دسن موتی، ادھر کلیاں، نیلم دل، تل کٹھن ہیرا

یہاں محبوب کے جو خد و خال اُبھرتے ہیں وہ رحیمی کے ہاں نہیں اُبھرتے۔ حسن شوقی کا مصرع ہے ع

کوئی چاند کوئی زہرا کوئی مشتری کتے ہیں

رحیمی کا مصرع ہے ع

زہرا کتے سو اس کوں کوئی مشتری کتے ہیں

پہلی مثال کی طرح یہاں بھی شوقی کے ہاں احساس سمٹ کر آتا ہے اور احساس کا ایک رنگ مکمل ہو جاتا ہے لیکن رحیمی کے ہاں احساس کا یہ سمٹاؤ، یہ جماؤ نظر نہیں آتا۔ یہاں احساس لفظوں کے ہاتھوں سے نکل نکل جاتا ہے۔ حسن شوقی کے اس مصرع کو ع

"جب عاشقاں کی صف میں شوقی غزل پڑھے تو"

رحیمی کے اس مصرع کے ساتھ رکھ کر دیکھیے ع

"مردوں کی صف میں شہ کا تجہ شاعری کتے ہیں"

تو یہاں بھی یہی فرق محسوس ہوگا۔

شوقی کے بعد اُبھرنے والے شعرا میں یوسف نے بھی "درجواب حسن شوقی" دو غزلہ کہا ہے۔ اس زمین میں حسن شوقی کی غزل مجھے نہیں ملی لیکن یوسف کی غزل آپ بھی سُن لیجیے اور اس اثر و مزاج کو دیکھیے جو شوقی کی غزل میں آپ نے دیکھا اور محسوس کیا ہے۔

یوسف[1] درجوابِ شوقی

اے چھند بھرے چھبیلے تج روپ کے جھلک کا
پرتو پڑیا سو جا کر سورج ہوا فلک کا

دیکھلا نکو چھپا توں تک دیکھنے میں تیرا
سجدا تجے کریں کر ہے قصد سب ملک کا

تب تے چھپیا ہے عنقا کوہ قاف کے بھتر جا
جب تے چھٹیا ہے جگ پر ناوک تیرے پلک کا

---

[1] : بیاضِ انجمن (قلمی)

بجلی جھلک نسک کر پاتال تل رہے جا — دیکھے جو خوش اُجالا تجہ نور کے جھلک کا
یوسف تیری پرت کے بند میں اچھے تو کیا تنگ — عالم اسیر ہے جم لک لک تیری الک کا

۵

تجہ مکہ نمک پھرے تے دریا ہوا نمک کا — تجہ نور جھل جھلی تے خورشید مہ فلک کا
حوراں پریاں خجل ہو سینار چھوڑ دیتیاں — دیکھیاں جو نور تیرا انکلیاں سلوں نک کا
توں شاہ آفتابی گر کوئی بدی کرے تجہ — دہ موش کور جوں ہے او دیدہ شپرک کا
تجہ عشق تے جو گھائل دارو چلے نہ اوسکوں — بیٹھیا جو تیر دلبر تجہ نین کے پلک کا
توں شاہ دلبری ہے جوناہیں برتری ہے — یا ماہِ مشتری ہے یا مہر ہے فلک کا

یوسف کے اس دو غزلہ میں شوقی کے اثر و رنگ کے ساتھ ساتھ ایک بات یہ بھی محسوس ہوتی ہے کہ یہ رنگ کچھ بدل سا رہا ہے اور یہاں بیک وقت ہلکی ہلکی دبی سی وہ آواز بھی سنائی دیتی ہے جو ولی کے ہاں بہت واضح طور پر یا جو شمالی ہند میں فائز دہلوی کے ہاں سنائی دیتی ہے۔ جب یوسف " اے چھند بھرے چھبیلے یا شاہ دلبری ، شاہِ آفتابی کہتا ہے تو مزاج کی پریاں ہمیں فائز دہلوی کی شاعری کے محل پر جا اتارتی ہے۔ جب " حوراں پریاں خجل ہو دیکھیاں جو نور تیرا" یا " بجلی جھلک نسک کر پاتال تل رہے جا" تو ہم شوقی کے ہاں جا پہنچتے ہیں اور جب یا ماہِ مشتری ہے یا مہر ہے فلک کا تو ولی کی سی آواز سنائی دینے لگتی ہے۔" دیکھے جو خوش اُجالا تجہ نور کے جھلک کا" اس مصرع میں دو آوازیں شوقی اور ولی کی ایک دوسرے کو کاٹ رہی ہیں اور یہاں حسن شوقی کی آواز دوسری آواز میں جذب ہو رہی ہے —— اثرات سائے کی طرح چلتے ہیں۔ کبھی سایہ کی طرح یہ اثرات نظر آتے ہیں اور کبھی موجود ہونے کے باوجود چھپ جاتے ہیں۔ جیسے دسویں صدی ہجری کی قدیم غزل پر محمود، فیروز، خیالی کا سایہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح نصف سے زیادہ گیارہویں صدی ہجری تک حسن شوقی کا اثر واضح طور پر نظر آتا ہے اور پھر یہ اپنا رنگ دوسرے رنگوں میں ملا کر خود ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا ہے۔ ان سب رنگوں سے ملا کر ولی دکنی اپنا ایک الگ رنگ بناتا ہے اور اُسے دیکھ کر دُوسرے

سارے رنگ ہمارے دل سے اتر جاتے ہیں اور ہمارے لیے یہ بات اہم نہیں رہتی کہ دلی کی شاعری کے خدو خال اپنے خاندان کے کس کس فرد سے مشابہہ ہیں۔ ناک کس سے مشابہہ ہے۔ پیشانی کس سے ملتی ہے۔ آنکھیں اور ہونٹ کس پر گئے ہیں۔

اب "در جوابِ شوقی" ایک اور شاعر سالک کی بھی ایک غزل سنیے ؎

تجہ لٹ ٹلکتا ناک جب مجہ دل کوں الٹ پٹ ہوا ۔۔۔ بس چڑھ تنداں تے تار رہا سب دل میرا کھٹ کھٹ ہوا

کیسی ہٹیلی ہٹ بھری ہٹ سے کرے نابات چپ ۔۔۔ ہٹگیا بی ہٹ چھوڑے نہیں آخر اسی کا ہٹ ہوا

تجہ ہجر کی تلخی تے اب پگھلیا ہے تن گل موم ہو ۔۔۔ کوئی کے پرت کا ہے جھڑپ کوئی لپتے ادجٹ ہوا

داغاں تجے دل کے بھیتر نہاں جلایا حسن تجہ ۔۔۔ سو داغ ہر یک سور ہو بیٹھا او پر یہ گھٹ ہوا

تجہ حسنِ عالم تاب تے رہیا ہوں بے تاب ہو ۔۔۔ اماپرت کی ریت میں فولاد تے دل گھٹ ہوا

تجہ زلف کا ہو کفر سو اسلام نے بیٹھا ہے کر ۔۔۔ تسبیح سالک توڑ کر کلجا نوا بجا جٹ ہوا

سالک کے ہاں بھی حسن شوقی کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ اس کی غزل کے موضوع پر اندازِ فکر، لہجے اور بیان پر شوقی کا اثر بہت واضح ہے۔ اسی زمین میں شوقی کی غزل کے چند شعر ہم پہلے پڑھ چکے ہیں۔ آیئے ایک اور شاعر قریشی کی بھی وہ غزل دیکھیں جو اس نے "در جوابِ شوقی" لکھی ہے ؎

سکی تجہ بن کہ جوں باد بگولا ہر کدر پھرتا ۔۔۔ جو لیلیٰ بن کہ جوں مجنوں دیوانہ ہر کدر پھرتا

سکی تجہ تے کہ دل ہر چند پھرا دوں ہر طرف اپنا ۔۔۔ نہیں پھرتا کہ جوں قبلے نما قبلے ادھر پھرتا

موہن پیارے کے نیناں گرد کردی میں کہ جیو میرا ۔۔۔ پھرے تس دن کہ جیوں بن کا سدا بھوکے بھنور پھرتا

سکی دلبر کہ تجہ بن اب مجرد جیو ہو سب تے ۔۔۔ کہ جوں جوگی سنیاسی بھی مسافر ہو سفر پھرتا

پھرے تجہ مکہ اوپر تل تل کہ من میرا ہوا پھر کی ۔۔۔ اوتی سورج کنول گل پر کہ چندا ہو بھنور پھرتا

قریشی کوں جلا پیارے انگل ادجل کے منس کر ۔۔۔ سیانا ہوا لپس ستی کہ کیوں توں بے خبر پھرتا

اسی زمین میں شوقی کی غزل مجھے ایک قدیم بیاض میں ملی ہے۔ ان دونوں کو سامنے رکھ کر جب دیکھتے ہیں تو شوقی کا اثر قریشی کی غزل کے مزاج میں رچا بسا نظر آتا ہے۔ قریشی بھی غزل میں شوقی کا رنگ واثر لیے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ ان تینے شعراء میں حسن شوقی کی

آواز سُن کر اُس کے رنگِ شاعری کا اثر دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ حسن شوقی اپنے دور کا ایک ایسا شاعر تھا جس نے قدیم اردو غزل کی روایت کو متاثر کر کے ایک ایسے رنگ سے آشنا کیا جس پر آئندہ دور کی غزل نے طویل مسافت طے کی اور پھر دلی کی غزل سے آکر مل گئی۔

بیاضوں کے جنگل میں سے گزرتے گزرتے ہماری ملاقات ایک اور شاعر سے ہوتی ہے جس کا تخلص تائبؔ ہے۔ اس نے واضح الفاظ میں حسن شوقی کو استاد کہا ہے۔ ع

استاد کے بچن سوں خورشید ہو پڑیا لیو

یہ مصرع اس تضمین کا ہے جو تائبؔ نے حسن شوقی کی مشہور غزل انوری کتے ہیں، مشتری کتے ہیں والی غزل پر لکھی ہے۔ محمود، فیروز، خیالی، سالک، اشرف، رحیمی، قریشی، تائبؔ کی یہ ساری غزلیں اور تضمینیں جو میں نے شامل میں پیش کی ہیں پہلی دفعہ شائع ہو رہی ہیں اور ان کے مطالعے سے ایک طرف حسن شوقی کے اثر کی تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے اور دوسری طرف قدیم اردو غزل اور دکنی کی روایت اور خاندان کا پتا بھی چل جاتا ہے۔ آیئے اب لگے ہاتھوں تائبؔ کا مخمس اور پڑھ لیں ؎

شعرا تمن کے دل کوں سب جوہری کتے ہیں
جادو بچن تمن کے افسوں گری سے کتے ہیں
وہ حسن دلبراں کا سب سرسری کتے ہیں
جاناں تمن کوں دیکھ کر سب جھنجھری کتے ہیں

کوئی حور کوئی پدمنی کوئی شہ پری کتے ہیں

عاجز ہیں یک صفت میں بولیں اگر ہزاراں
چپ یوں رہتے ہیں سب مل حیرت سوں ہوشیاراں
یعنی تیری صفت سیں بے سُدھ ہوئے ہیں یاراں
تجہ زلف شب قدر تیں جگ میں سو رنگ عذراں

کوئی چاند کوئی زہرہ کوئی مشتری کتے ہیں

وعدے خلاف کرنے تم سوں بی میں ڈر رہا ہوں
گردوں پہ پگ نہ دھرتا سر بھوتیں میں کیا دھر رہا ہوں
یوں دُکھ سیں میں سکھیا تھا انجھواں سیں ہی بھر رہا ہوں
جو جو میں بات تمنا رو رو سمندر بھر رہا ہوں

کوئی گنگ، کوئی جمنا کوئی سانوری کہتے ہیں

معشوق کے لگن کوں اوچت کتے سیانے
سُدھ بھول بولتے ہیں ہمنا کے من نہ مانے
پلکاں کی یوک ٹک چھن کھاں تجہ کوئی بکھانے
تجہ نین کے انجن سوں ہوتے زاہداں دیوانے

کوئی گوڑ، کوئی بنگالا کوئی سامری کہتے ہیں

تائب تیرا مخمس گردوں سوں جا اڑیا یو
استاد کے بچن سوں خورشید ہو پڑیا یو
موتیاں میں توں جگماں تھیں الماس یا جڑیا یو
جب عاشقاں کی صف میں شوقی غزل پڑیا یو

کوئی خسرو نظامی کوئی انوری کہتے ہیں

جیسا کہ آپ نے محسوس کیا ہوگا تائب کے ہاں بھی حسن شوقی کا اثر بہت واضح ہے۔ یہاں کسی تجزیہ اور مزاج، تراکیب، لہجہ اور آواز کو جتلانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ایک بات تائب، رحیمی، اشرف، سالک کے ہاں یہ ضرور محسوس ہوتی ہے کہ زباں کی سطح پر یہ لوگ بیان کو مانجھ کر آگے بڑھا رہے ہیں۔ ان کی دکنی اردو میں ریختہ کا نیا معیار اپنی جھلک دکھانے لگا ہے اور اب حسن شوقی کی روایت نئے نکھار کے ساتھ اُبھر رہی ہے۔

یہ ہے قدیم اردو غزل کی روایت کا وہ دھارا جس کے درمیان میں حسن شوقی کھڑا ہے۔ وہ اپنے اسلاف سے اس روایت کا اثر قبول کرتا ہے اور اُسے ایک نیا اسلوب دے کر آنے والے شعرا تک پہنچا دیتا ہے۔ یہی وہ اثر ہے جو حسن شوقی کو قدیم ادب میں ایک

خاص اہمیت کا مالک بنا دیتا ہے۔ شوقی کی غزل میں مشتاق، لطفی، محمود، فیروز اور خیالی کے اثرات ایک نئے روپ میں ڈھلتے ہیں اور پھر یہ نیا روپ شاہی، نصرتی، ہاشمی، اشرف، سالک، یوسف، تائب، قریشی اور ایسے بہت سے دوسرے نامعلوم و گمنام شعراء کے ہاں سے ہوتا، ولی کی غزل میں رنگ جماتا ہے۔ ولی اپنے سے پہلے آنے والے شعراء کی صدیوں کی اس کوشش و کاوش اور امکانات کو سمیٹ کر انھیں شمالی ہند کی زبان سے ملا دیتا ہے اور اس طرح اردو غزل کو ایک نئے امکان سے ایک نئے رنگ روپ سے آشنا کرتا ہے اور جب اس کی شاعری کا سورج نصف النہار پر آتا ہے تو اُس کے سامنے اُن سب شاعروں کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے جنھوں نے صدیوں تک ادبی فضاؤں کو منور کیا تھا، اور جب ولی کے ہاں یہ روایت اپنی شکل و صورت بنا لیتی ہے تو وہ نصرتی کی طرح اپنی شاعری کا مقابلہ اپنے سے پہلے کے اُس شاعر سے کرتا ہے جس کی روایت کو اس نے بنا سنوار کر نئے امکانات سے روشناس کیا ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے ؎

برجا ہے اگر جگ میں ولی پھر کے دُجے بار
رکھ شوق میرے شعر کا شوقی حسن آوے

روایت یونہی بنتی اور بدلتی ہے اور جب سینکڑوں شاعر برسوں تک اپنے خونِ جگر سے روایت کے درخت کی آبیاری کرتے ہیں تب کہیں "تخلیق" کا ایک سدا بہار پھول کھلتا ہے جسے کوئی ولی کہتا ہے کوئی حافظ، سعدی، میر، غالب، اقبال کا نام دیتا ہے۔ کوئی دانتے اور چوسر کے نام سے یاد کرتا ہے اور ہم حسن شوقی جیسے شاعروں کو بھول جاتے ہیں۔

لسانی مطالعہ

حسن شوقی کی زبان اس زمانے کے دکن کے عام بول چال کی زبان ہے۔ اس میں اُن تمام بولیوں اور زبانوں کے اثرات کی ایک کھچڑی سی پکتی دکھائی دیتی ہے، جو آئندہ زمانے میں ایک جان ہوکر اردو کی معیاری شکل متعین کرتے ہیں۔ زبان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان اپنے ارتقاء کی اس ترکیبی منزل میں ہے جہاں سے اُردو حروفِ علت کا موجودہ نظام پروان چڑھنے لگا تھا۔ اس کی سب سے واضح شکل صیغۂ ماضی کے افعال میں ملتی ہے۔ ماضی اور اسم مفعول بنانے کا موجودہ اصول یہ ہے کہ مادوں میں "ا" یا حرفِ علت "آ" بڑھا دیا جاتا ہے جیسے پڑھنا (مصدر) سے پڑھ (مادہ) اور اس سے پڑھا (ماضی مطلق) لیکن زبان کے ارتقاء کے اس دور میں ماضی مطلق بنانے کے لیے "یا" لگایا جاتا تھا جیسے پڑھ سے پڑھیا۔ لکھ سے لکھیا۔ حسن شوقی کی زبان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس منزل میں "یے" (حرف صحیح) نیم حرفِ علت بن رہا تھا جو آگے چل کر صوتی اشباع کی نذر ہو گیا اور بغیر "یے" کے ماضی بننے کا اصول کلیہ کی حیثیت اختیار کر گیا۔ یہ تبدیلی شعر میں زیادہ واضح ہوتی ہے کیونکہ شعر کے وزن میں حرفِ صحیح حذف نہیں ہوتا لیکن اگر وہ نیم حرف علت ہو تو صوتی اعتبار سے وہ وزن میں سے حذف ہو سکتا ہے۔ چنانچہ شوقی کے ہاں ایسے ماضی جو "یا" سے بنے ہیں نیم حرفِ علت "یے" + "اَ" سے بنے ہیں اور یہ "نیم یے" وزن میں حذف ہو جاتی ہے مثلاً ؎

جہاندار نے میزبانی کریا

؎

اسے نانوں میں شادمانی دھریا

یہاں دونوں افعال "کریا" اور "دھریا" میں "یے" نیم حرف علت کے طور پر آتی ہے اور "یے" کی صحیح آواز کے ساتھ استعمال نہیں ہوتی۔ ایک اور مثال لیجیے ؎

جرأت ہور جواہر یتا کچھ دیا
جو اوس دیکھتے خلق حیران رہیا

اس شعر میں "دیا" کی "یے" حرف صحیح ہے اس لیے حذف نہیں ہو سکتی اور "رہیا" میں یہ نیم حرف علت کے طریق پر استعمال ہوئی ہے اور حذف ہو سکتی ہے۔ جدید زبان میں اب ہمیں "رہیا" کے بجائے "رہا" کی شکل ملتی ہے

قدیم اردو میں اسمائے مؤنث کی جمع فاعلی صورت میں لاحقہ "یاں" ملانے سے بنتی تھی، اور چونکہ ماضی میں پہلے ہی "یے" لگا دیا جاتا تھا اس لیے تانیث اور جمع کے صیغہ میں ماضی بھی وہی صورت اختیار کرتا تھا۔ زبان کے ارتقاء میں کچھ عرصہ تک یہ صورت قائم رہی لیکن رفتہ رفتہ متروک ہو گئی۔ سوداؔ کا یہ شعر دیکھیے ۔

جب لبوں پہ یار کے مسّی کی دھڑیاں دیکھیاں
جوں زحل کی ساعتیں اس دل پہ کڑیاں دیکھیاں

اس شعر میں دھڑیاں۔ دیکھیاں۔ کڑیاں۔ دیکھیاں چاروں لفظوں میں "یے" حرف صحیح کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔ اب شوقی کا یہ شعر دیکھیے۔

خوشی خرّمی ہیں او بلتیاں چلیاں
اکھرتیاں و پھرتیاں او چھلتیاں چلیاں

اس شعر میں یہ چھ الفاظ او بلتیاں، چلیاں، اکھرتیاں، پھرتیاں او چھلتیاں چلیاں اسی صورت میں ملتے ہیں جو سوداؔ کے ہاں ملتی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ سوداؔ کے ہاں "یے" کی آواز حرف صحیح کی آواز ہے لیکن حسن شوقی کے ہاں "یے" کی آواز نیم حرف علت کی ہلکی اور اچٹتی سی آواز ہے۔ قدیم اردو میں یہ عمل ارتقائی تھا۔ لیکن شمالی ہند میں ناسخ نے صحتِ زبان کے لیے مضر سمجھ کر اسے منسوخ کر دیا۔ اشباع و تخفیف کا یہ "عمل" "یے" کے علاوہ دوسرے حروفِ علت میں بھی نظر آتا ہے۔ اوپر جو مثالیں دی گئی ہیں ان میں آپ دیکھیں گے کہ "اوبلنا" "اوچھلنا" کا "او" یا حسن شوقی کے ہاں دوسری جگہ "او جائے" بولایا، "سونیگا" میں حرفِ علت "او، بو، سو" وغیرہ کی شکل میں آیا

ہے جو بعد میں زبان کے ارتقا کے ساتھ "اُبنا"، "اُچھلنا"، "اُجالے"، "بُلایا"، "سنے گا" ہو گیا۔ یہ تخفیفی عمل ہر زبان کے ارتقا کا ایک خاصہ ہے۔

ہند یورپی زبانوں میں کئی زبانیں ایسی ہیں جو "ہائے" کی آواز کو اپناتی یا حذف کر دیتی ہیں۔ قدیم اردو میں ایک ہی لفظ جب شمال میں بولا جاتا ہے تو اس میں ہائے کی آواز استعمال کی جاتی ہے اور جنوب میں وہی لفظ بغیر "ہائے" کے استعمال ہوتا ہے۔ یہ عمل علاقائی تفریق کی بنا پر کم و بیش ہر زبان میں ملتا ہے۔ حسن شوقی کے ہاں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں مثلاً سنیرے (سنہرے)، روپیرے (روپہرے) مجے (مجھے) تجے (تجھے)، پین (بہن)، سڑیاں (سیڑھیاں)، دیک (دیکھ) وغیرہ

قدیم اردو میں برصغیر پاک و ہند کی بیشتر زبانوں کے اثرات گھلتے ملتے نظر آتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب برصغیر کے مختلف علاقوں کے علماء، صوفیائے کرام، سپاہی پیشہ اہلِ کمال، اربابِ ہنر دکن آ جا رہے تھے۔ پٹھان، پنجابی، سندھی، افغانی، گجراتی، شمالی ہند کے علاقوں کے لوگ دکن میں تبلیغ دین یا قسمت آزمائی کے لیے پہنچے تھے۔ ترک نژاد حکمراں تھے۔ عربی و فارسی، مذہبی و تہذیبی زبانیں تھیں۔ تلگو، تامل اور مراٹھی وغیرہ دکن کی علاقائی زبانیں تھیں۔ اسی لیے دکنی میں اِن تمام زبانوں کے عناصر اور اجزاء پائے جاتے ہیں۔ کہیں صرف الفاظ کی حد تک اور کہیں صرفی و نحوی ترکیبیں بھی زبان کا حصہ بن گئی ہیں۔ کہیں کہیں تو یہ مماثلت اتنی گہری ہو جاتی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ گریرسن[1] نے جو مثالیں مٹھریلی (سندھ کے ریگستانی علاقے کی زبان) کی دی ہیں اس سے ایک جملہ یہاں نقل کیا جاتا ہے تاکہ اردو زبان کے مزاج کا اندازہ ہو سکے

آج ادیلے کیوں آ دیا کیرو مجہ میں کام

وہ صرفی اجزا، نحوی خصوصیات اور الفاظ جو اس جملے میں نظر آتے ہیں تقریباً اسکا سے ملتے جلتے شوقی کی زبان اور قدیم اردو میں نظر آتے ہیں۔ تھریلی پر راجستانی

---

[1] : لنگوسٹک سروے آف انڈیا جلد ۸ حصہ اول ص۱۴۵

کا گہرا اثر ہے اور راجھستانی کے اثرات قدیم اردو پر واضح ہیں۔

آئیے اب حسن شوقی کے کلام میں صرف و نحو کی چند خصوصیات دیکھیں:۔

اسماء کی جمع بنانے کا ایک عام اصول یہ ملتا ہے کہ اسم کے آخر میں "ان" بڑھایاں لگا دیتے ہیں، جیسے فرنگاں، گلاباں، پلا لاں، ہواباں، فوجاں، ناگنیاں، آنڑباں، ماتیاں، دبوٹیاں وغیرہ۔ یہی اصول پنجابی، سرائیکی اور سندھی کے شمالی علاقے کی زبان (اترادی) میں بھی ملتا ہے۔

اسما کی تذکیر و تانیث میں جدید زبان کے مؤنث لفظوں کو مذکر باندھا گیا ہے جیسے ؎

اہے گرج میرا تیرے راج میں

؎ " اے باد نو بہاری گر تو گذر کرے گا میں گرج' اور'یاد' کو مذکر باندھا ہے۔

اسی طرح 'خبر' اور 'دنیا' کو بھی حسن شوقی نے مذکر باندھا ہے۔

ضمائر سے بھی زبان کے ترکیبی عمل کا اندازہ ہوتا ہے۔ اکثر ضمائر اپنے ارتقائی مراحل سے گزر رہے ہیں مثلاً

متکلم : ہیں مجھ ۔ مجے ، میرا (واحد) ہمن ہمنا (جمع)

حاضر : توں ۔ تجھ ۔ تجے ۔ تیرا ۔ ہیں ۔ تس (واحد) تم ۔ تمیں (جمع)

غائب : وو ۔ وہ ۔ یو ۔ اوس ۔ اوسے ادسی (واحد) وو، یو، وہ (جمع)

ان کے علاوہ یتا ۔ جیتے ، ابس ، اپیس ، جن ، جنن ، جننت ، کن ، پتے ، کرن وغیرہ ضمائر بھی ملتے ہیں۔ متکلم کے ضمائر (جمع) یعنی ہمن ، ہمنا پوربی ، مارواڑی اور راجھستانی میں بھی ملتے ہیں۔ واحد متکلم مجروری اور مفعولی "مجے" اور "مجھ" میں ابھی "ہائے" کی آواز استعمال میں نہیں آتی ہے۔ اس کے برعکس جمع میں "ہائے" کی آواز موجود ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حاضر میں "توں" پنجابی، سندھی اور سرائیکی میں آج بھی ملتا ہے۔ "تتیں" "توں" اور ہی کا مرکب ہے ۔ مجروری حالت میں تجھ اور تجے میں ہائے کی آواز نہیں ہے۔ حاضر

جمع میں "تیں" گجراتی، برجی، کھڑی وغیرہ میں مشترک ہے۔ غائب میں یو۔ وو۔ وہ کا ارتقاء صاف نظر آتا ہے۔ "یو" کی "ی" نیم حرف علت بن کر گر گئی اور "یو" "او" جو آج بھی اودھی، پنجابی، سرائیکی اور سندھی میں ملتا ہے بدل کر "وو" بنا اور پھر ارتقاء کے ساتھ "ہائے" مل کر "وہ" کی شکل میں آگیا۔

مخاطب کی احترامیہ صورت "آپ" بعد کی پیداوار ہے۔ شوقی کے ہاں "آپ" "اپ" اور "اپس" "خود کے معنی میں آتا ہے۔ حسن شوقی نے ایک لفظ "جننت" (جن کا) استعمال کیا ہے۔ اس کی "ت" دراوڑی اثر سے آئی ہے اور "جنن" جن کی جمع الجمع ہے جو سندھی، سرائیکی پنجابی ضمائر کی ایک عام خصوصیت ہے۔

صفت۔ شوقی کی زبان میں "اَ" "سُ" "دُ" (سنسکرت دُر بمعنی بُرا، جیسے دُرجن یعنی بُرے لوگ) سنسکرت سابقوں اور مرکب بنانے کے اصول کے مطابق استعمال کیے گئے ہیں "سُ" کا سابقہ سنسکرت میں نیکی، اچھائی، یا خوبی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جیسے سُجات یعنی اچھی ذات۔ سُجات قلی قطب شاہ نے بھی استعمال کیا ہے۔ حسن شوقی کے ہاں سُکال (اچھا زمانہ) سُلکھن (اچھے لچھن والا)، سگند (اچھی خوشبو) سُدنگ (اچھے ڈھنگ کا)، سُروپ (اچھے روپ کا) سُرنگ (اچھے رنگ کا)، سُباس (اچھی خوشبو) اسی طرح اکال، امول (انمول) اور درگت، دُکال استعمال میں آتے ہیں۔ یہ طریقہ ہندی، سندھی اور گجراتی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ حسن شوقی کے "سُکال"، "دُکال" سندھی میں "سُکار" اور "ڈُکار" کی شکل میں ملتے ہیں۔

صفت میں جمع عمومی یا اسم مجموعہ کی ایک دلچسپ شکل یہ ملتی ہے کہ اس میں لاحقہ "ک" لگایا گیا ہے۔ یہ اصول دراوڑی زبانوں کے اصول اور وضع کے مطابق ہے۔ جیسے نیلک، پیلک (نیلا۔ پیلا) وغیرہ براہوی میں جو پاکستان میں واحد دراوڑی بولی ہے، جمع عمومی "ک" یا "اک" لاحقہ لگا کر بناتے ہیں مثلاً سوف (سیب) سوفک، ارغ (روٹی) ارغک (روٹیاں) وغیرہ۔ حسن شوقی کا یہ مصرع دیکھیے ؎

سو مجلیاں ہمیں سچلیاں گھر تکیاں پٹیاں

"گھر تکیاں" جمع اسی دراوڑی اصول کے مطابق ہے۔

افعال: شوقی کی زبان میں افعال کی خصوصیت نمایاں ہے۔ جدید زبان کے مقابلہ میں پہلا فرق تو یہ ہے کہ متعدی اور لازم افعال، جو ماضی کے صیغوں میں "نے" کے استعمال سے پہچانے جاتے ہیں۔ ضمائر متکلم و حاضر میں حسن شوقی کے ہاں نہیں ملتے جیسے ع

سنیا ہیں کہ شہ گھر بڑا کام ہے

لیکن ضمیر غائب میں "نے" کا استعمال ملتا ہے۔ جیسے ع

جہاندار نے میزبانی کریا

ع:

جو بہرام نے سنواریا صلا

اور کہیں غائب ہو جاتا ہے جیسے ع

فریدوں دیا تخت کوں بھی رواج

ع:

کہ خسرو دیا تاجداراں کوں تاج

اس سے پتا چلتا ہے کہ علامتِ فاعل "نے" قدیم اردو میں استعمال ہونے لگا تھا جو رفتہ رفتہ عام ہوتا گیا۔ پنجابی میں علامتِ فاعل 'نے' آج بھی استعمال نہیں ہوتی۔

افعال کی دوسری خصوصیت تذکیر و تانیث کی ہے۔ قدیم اردو میں فعل کے چند صیغوں اور زمانوں میں فاعل یا مفعول اگر مونث تھا تو فعل بھی مونث استعمال کیا جاتا تھا۔ جیسے لڑکی پانی پی۔ شوقی کے ہاں صورت حال اس کے برعکس ہے مفعول مونث ہونے پر بھی فعل مذکر استعمال ہوتا ہے مثلاً ع

جہاندار نے میزبانی کریا

اس مصرع میں مفعول میزبانی مونث ہے لیکن فعل تذکیر کے صیغہ میں استعمال ہُوا ہے۔ فعل کی یہ تذکیر ایک اصُول کے طور پر شوقی کے کلام میں بار بار ملتی ہے اور قدیم اُردو جدید زبان کی طرف بڑھتی دکھائی دیتی ہے۔ چند اور مثالیں دیکھیے: ع

فریدوں دیا تخت کوں بھی رواج

ع

کہ خسرو دیا تاجداراں کوں تاج

مفعول کے مونث ہونے کے باوجود فعل مذکر استعمال ہُوا ہے ؎

کیا بادشاہی سو بازو کے بل

ع

رتن جڑت جو کچھ دکھیا سامنے

قدیم اُردو کی یہ خصوصیت بھی شوقی کے ہاں کثرت سے ملتی ہے کہ اگر فاعل جمع مونث ہے تو فعل بھی جمع مؤنث ہوگا۔ مثلاً:

خوشی خرمی میں او بلتیاں جلیاں

اکھرتیاں و بھرتیاں او چھلتیاں چلیاں

فاعل موئنث (جمع) ہونے سے اس شعر کے چھ فعل موئنث (جمع) میں استعمال کیے گئے ہیں۔

افعال معاون اور حروفِ ربط کی چند خصوصیات بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ان حروف کو چار سلسلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱ ۔ ہے۔ اہے۔ اہیں وغیرہ

۲ ۔ تھا۔ اتھا۔ اتھے۔ اتھا وغیرہ

۳ ۔ تھا۔ تھیا ۔ تھیاں۔ وغیرہ

۴ ۔ اچھو۔ اچھے۔ اچھیں وغیرہ

پہلا سلسلہ ہے اہے کا ہے۔ اس کا قریبی رشتہ سندھی کے آہے۔ آہیں

سے ہے کہا جاتا ہے کہ اصل میں سنسکرت "اس" مادہ بمعنی "ہونا" سے آیا ہے۔ سندھی اور اردو کی گردانیں یہ ہیں :

سندھی	قدیم اُردو
ماں آہیاں	میں اہوں
اسیں آہیوں	ہم اہیں
توں آہیں	تو اہیں
توہیں آھیو	تم اہیں
ھو آہے	وہ اہے
ہو آہین	وہ اہیں

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم اردو اور سندھی میں یہ حروف ربط تقریباً ایک سے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ سندھی میں "آہے" بہت کھینچ کر اور دکنی میں "اَہے" قدرے تخفیف سے بولا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ "آہ" قدیم ایرانی میں بھی موجود تھا۔ اس کا ثبوت ہمیں دارائے اعظم کے اس مخروطی کتبے (cuni form) سے ملتا ہے جس کی عبارت کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں[۱]

"نے اریکہ آہم" نے درو غنہ آہم" نے زور کرآہم (ترجمہ: نہ دشمنکام ہستم، نہ دروغ گو ہستم، نہ زور کن ہستم) کیونی فارم یا مخروطی خط کے اس جملے سے اس قدیم مادہ "آہ" کا پتا چلتا ہے جس کا مفہوم وہی ہے جو سندھی "آہے" اور دکنی "اَہے" کا ہے۔

اسی طرح دوسرا سلسلہ تھیا۔ تھیاں وغیرہ کا ہے۔ سندھی کے مصدر "تھیں" بمعنی ہونا سے مماثل ہے۔ سندھی میں یہ مصدر "ہونا" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

---

[۱] : "تاریخ ادبیاتِ ایران (فارسی) تہران تالیف آقائے دکتر رضا زادہ شفق ص ۱۸-۱۹"

اور فعل معاون کے طور پر بھی۔

تیسرا سلسلہ اتھا۔ اتھار۔ اتھا۔ ہتے، ہتا اور ہتا وغیرہ کا ہے۔ اس کا تعلق گجراتی اتھا۔ اتھی۔ اتھے وغیرہ سے ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اب تک اردو 'تھا' 'اتھا' کی ارتقائی شکل سمجھی جاتا تھا لیکن حسن شوقی کے ہاں "اتھار" اور "اتھاہ" اس ارتقا کی دو کڑیاں اور ملتی ہیں۔ جیسے

۱	نجانوں کہاں گیا نونتر اتھار
	نجانوں کہاں دھیان پنتھی اتھار
۲۔	نظام الملوک وو جو بڑکا اتھاہ
	برہان الملوک ادس کوں لڑ کا اتھاہ

اس لفظ کے ارتقا۔ کی صورت اب یہ بنتی ہے اتھار۔ اتھاہ۔ اتھا۔ ہتھا تھا۔ حسن شوقی کے ہاں یہ تمام صورتیں ملتی ہیں جس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ زبان کا ترکیبی ارتقا جدید اردو کے قریب تر آچکا تھا۔ ایک اور مصرع دیکھیے ؎

زمین پر دیوے جگمگا تے ہتے

میں 'ہتے' گجراتی ہے۔

چوتھا سلسلہ اچھے، اچھو، اچھیں گجراتی اور راجستانی میں ملتا ہے۔ یہ شکلیں جدید زبان میں متروک ہو گئیں۔ اس کی قریبی شکلیں سندھی، لاسی (لسبیلہ کی زبان) اور کشمیری میں بھی چھن، چھاں، چھو اور کشمیری میں "چھوہ" (وہ ہے) ملتی ہیں۔

دکنی میں چونکہ متعدد مصادر مختلف زبانوں سے لیے گئے ہیں جن کے ماضی کسی اور قاعدے سے بنتے ہیں۔ اس لیے اِن مصادر کے ماضی بھی اُن زبانوں کے اصول کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ پنجابی اور گجری کا اثر بہت نمایاں ہے جیسے، ؎

ستم چالیسے سبیں نوں ناک کا

میں 'چالیسے' پنجابی طریقہ ہے اور ؎

مبارک تجے تخت ہور تاج اچھو

میں اچھو گجراتی ہے۔ اسی طرح: ؎

بیٹھا تخت پہ آد جمشید سا

میں "آد" پوربی اور راجھستانی طریقہ پر استعمال میں آیا ہے۔

اسم فاعل بنانے کا ہندی طریقہ یہ ہے کہ مصدر پر "ہار" لگا دیتے ہیں۔ حسن شوقی کی ہاں بھی یہ طریقہ عام ہے، جیسے کرن ہار۔ رہن ہار۔ دھرن ہار وغیرہ۔ کہیں کہیں گجراتی طریقے سے بنائے ہوئے اسم فاعل بھی استعمال کیے ہیں جیسے اس شعر میں ؎

کیتے مہماں آو تارو ہوئے
کیتے میزباں جاؤ تارو ہوئے

آو تارو۔ جاؤ تارو گجراتی طریقے سے بنائے گئے ہیں۔

حروفِ جار میں کئی حروف پنجابی سے آئے ہیں جیسے 'تے' نال، نوں سوں وغیرہ۔ سرائیکی کا 'کوں' بھی استعمال ہوا ہے 'میں' کی شکل 'منے' بھی ملتی ہے۔ ایک حرفِ جار 'منجھار' پرانی سندھی میں استعمال ہوتا ہے جس کے معنی 'اندر' یا 'میں' کے ہیں۔ شاہ لطیف کے ہاں "منجھاروں" یا "منجھارا" استعمال ہوا ہے۔ اُس کا مخفف موجودہ سندھی میں "منجھ" انہی معنی میں مستعمل ہے۔

حرفِ اضافت میں 'کا' وغیرہ کے ساتھ 'کیرا' بھی استعمال ہوا ہے جو اودھی، راجھستانی میں استعمال ہوتا ہے۔

اس سرسری مطالعہ سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اردو نے کسی ایک زبان سے اپنے مزاج کی تشکیل نہیں کی، بلکہ کم و بیش برصغیر پاک و ہند کی سب زبانوں سے اثر قبول کر کے اپنے مزاج کو اس طور پہ بنانے میں کامیاب ہوتی ہے کہ ہر زبان بولنے والا اس میں اپنے مزاج کی جھلک دیکھ سکے اسی لیے اس زبان کا بولنا اور سمجھنا برصغیر کی کسی دوسری زبان کے مقابلہ میں آسان ہے۔ یہ تھوڑے سے عرصہ میں گھل مل کر زبان پہ چڑھ جاتی ہے۔ مزاج کے اسی رنگ کو دیکھ کر میں اُردو

کو پاک و ہند کی ساری زبانوں کا "عادِ اعظم مشترک" کہتا ہوں۔ آپ برصغیر کی کسی بھی زبان کے نقطۂ نظر سے اس کا لسانی تجزیہ کر لیجیے، آپ کو قدم قدم پر اسی زبان کے اثرات محسوس ہوں گے۔ پنجابی، سرائیکی، سندھی، گجراتی، راجستھانی، ہریانی، برج بھاشا، اودھی، مگدھی، کھڑی، پشتو، بروہی، ہندی، سنسکرت، مرہٹی، تلگو، فارسی، عربی، ترکی، انگریزی وغیرہ کے اثرات اس زبان میں مل کر اسی طرح ایک ہو گئے ہیں جیسے ایک بچّہ کو دیکھ کر آپ کہہ اٹھتے ہیں کہ اس کی ناک ماں پر گئی ہے۔ چہرہ کی بناوٹ باپ پر گئی ہے۔ آنکھیں دادا کی سی ہیں لیکن ان سب کے باوجود اس بچّہ کی اپنی انفرادیت ہے جو ان سب اثرات سے مل کر بننے کے باوجود اس کی اپنی ہے۔ یہی خصوصیت اردو زبان کی ہے۔ مثال کے طور پر آئیے سندھی زبان کے تعلق سے "مہربانی نامہ" کے ابتدائی سو اشعار کا تجزیہ کریں۔

سندھی اور اُردو زبان کی یہ مماثلت الفاظ تلفظ اور چند مخصوص تہذیبی، تمدنی محاوروں اور بات کہنے کے مزاج سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں ہم ایسے الفاظ کی فہرست دیتے ہیں جو مہربانی نامہ کے ابتدائی سو اشعار میں ہمیں ملے ہیں، اور جو آج بھی سندھی میں استعمال ہوتے ہیں۔

نانوں : سندھی میں نام کے لیے آتا ہے

سٹی : سندھی میں مارنا، ختم کرنا

ماڑیاں : ماڑی کی جمع۔ سندھی میں دو یا تین منزلہ عمارت کو کہتے ہیں۔

مڑے : سندھی میں مڑنا۔ مڑن کشیدہ کاری کرنا۔ آراستہ کرنا۔

وتے : وتی یہ سندھی کا خاص لفظ ہے جو ہر فعل کے بعد فعل معاون کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں تکرار یا کسی چیز کو کو کرتے رہنا۔ حسن شوقی کا مصرع ہے ع

جینے راننے سب وتے جاتے

ایک اور مصرع :

سہیلیاں سہیلیاں ے چھلتیاں دِتیاں

پھیارے : فوارے کے معنی میں سندھی میں آتا ہے۔
کنگ : شامیانے کے معنی میں سندھی میں آتا ہے
پھُل : پھُول کے معنی میں سندھی میں آتا ہے
سکال : سکار سندھی میں اچھا زمانہ اکال کی ضد
رے : ریلے (سندھی) پانی کا ریلا۔ بہاؤ
سریا : سرن (سندھی) ملنا۔ حاصل ہونا۔
چکاے : چکن (سندھی) گاڑھا کرنا
ڈکال : ڈکار (سندھی) قحط۔ اکال
لپے : لپھن سندھی میں لیپنا پوتنا کے معنی میں آتا ہے
چھپے : سندھی چھپن، لگانا (جسم پہ)
رسن تاب : سندھی میں ہوا کے لیے جھلی یا پنکھے کی رسی کھینچنے والے کو کہتے ہیں۔
آڑیاں : سندھی آڑی کی جمع ہے۔ بطخ کی ایک قسم
بھوین : سندھی بھوں ہو۔ دھرتی، زمین۔
بافتے : (فارسی بافتن) سندھی میں کورے موٹے کپڑے کی قسم۔
سالو : سالو کا (جسے اردو میں شلو کا کہتے ہیں) اونی کپڑے کی قسم
کبیسر : کبیت سر سندھی میں نعتیہ کلام کہنے والے شاعر کو کہتے ہیں۔ نعت گو
ہتھ : ہات
کمیت : خنگ، بور، سمند، زردو، مشکی، چنگ، ابلق۔ گھوڑوں کے یہ نام سندھی میں بھی آتے ہیں، بہری، ترمتی، شکرے، لنگیر۔ شکاری پرندوں کے یہ نام سندھی میں بھی آتے ہیں۔
رتڑے : رنگے ہوئے کپڑے

کاپڑی : کپڑا رنگنے یا بیچنے والے
سچلی : سچ مچ کی
گاجتے : گجن - ہاتھی کی طرح آواز کرنا۔
دمام اور بھیر : سازوں کی قسم
دوہیڑے : سندھی بیت کی قسم
سگھڑ : شاعر یا قوال
منڈل : ساز کی ایک قسم
دیا داس : دیدہ و دانستہ
پھٹاکاں : پٹاخے
دیوٹیاں : دیا ٹیاں - ڈیوٹ - مشعل
دیٹھا : ڈٹھا - ڈسن - دیکھا
منجھارہ : میں - اندر
مٹیا : سٹن - چھوڑنا - پھینکنا۔

اسی طرح پنجابی، ہریانی، کھڑی، ہندی و سنسکرت، برج بھاشا، مرہٹی وغیرہ کے الفاظ دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس فہرست سے میرا منشا صرف یہ دکھانا ہے کہ اردو زبان کا ذخیرۂ الفاظ عربی، فارسی، ترکی کے ساتھ ساتھ برصغیر کی ہر زبان کے ساتھ اس طور پر مشترک ہے کہ یہ زبان کم و بیش سب زبانوں کی زبان بن جاتی ہے اور دو مختلف زبانیں بولنے والوں کے لیے ایک مشترک زبان بن جاتی ہے۔

حسن شوقی کی زبان کی چند دوسری خصوصیات یہ ہیں :-

۱- عطف ہندی عربی اور فارسی الفاظ کے درمیان کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے جیسے موتی و منڈوے، جوتی و سوسن وغیرہ۔

۲- اسی طرح اضافت بھی فارسی و ہندی الفاظ کے درمیان استعمال کی جاتی ہے۔ جیسے آبِ بھنور

۳ - حرف اضافت کے بجائے 'ے' کا استعمال کیا جاتا ہے۔ منارے عظیم (منارِ عظیم) شہے شیر مرد (شہ شیر مرد)، شہے نامدار (شہ نامدار)، شہے تاجدار (شہ تاجدار) ملکے خدا (ملک خدا)، نارے رعیف (نارِ رعیف)

۴ - کہیں فارسی ترکیب میں صفت کو موصوف سے پہلے استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے سہی سرو (سروِ سہی)، کہیں ہندی ترکیب کو فارسی طریقے پر استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے منڈوے بلند (بلند منڈوے)

۵ - بہت سے الفاظ میں "ھ" یا "ہ" کا استعمال نہیں ملتا۔ جیسے پارکی (پارکھی) ٹکٹ (ٹکٹھ) سنیرے (سنہرے)، روپیرے (روپہرے)، مجے (مجھے)، ہیں (ہیں)، کدیں (کدھیں) دیکہ (دیکھ) اور کہیں ہ زائد ہے جیسے لنکھا (لنکا) اس زمانے میں یہ الفاظ اسی تلفظ سے بولے جاتے تھے۔

۶ - کہیں ی کا استعمال نہیں ہے جیسے سڑیاں (سڑیاں یعنی سیڑھیاں)، پشانی (پیشانی) کہیں مد استعمال نہیں کیا جاتا ہے، جیسے اسماں (آسماں) کہیں ی زائد ہے جیسے نظامیاں کوں فرمان یو لیکھ توں" میں لیکھ (لکھ)

۷ - واؤ معروف کی پوری آواز کی جگہ صرف پیش کی علامت استعمال کی جاتی ہے۔ جیسے تُہیں۔ ڈُھنڈنا، سُونے (سُنے)، پُھل (پھول) لیکن کہیں نازو کتر (نازک تر) اوس (اُس)، اُدجالے (اُجالے)، بولایا (بلایا) گھوسے (گھسے)، سونیگا (سنے گا) استعمال کیا جاتا ہے

۸ - کہیں 'کہ' بمعنی 'کے' جیسے ؏

'کے' فردوس جنت کے سب پھول ہو

اور کہیں 'کے' بمعنی 'کہ' استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے ؏

یو سب مل 'کہ' ایسا کیے یک پنا

یا ؏

سنوارے بیٹھے 'کے' کہ اپنا سو ساز

۹- ضرورتِ شعری سے یا اس وقت کے مروجہ تلفظ کی وجہ سے متحرک الفاظ کو ساکن اور ساکن کو متحرک باندھا ہے جیسے اَوَلُ بجائے اوّل۔ چھَجے بجائے چھجّے۔ کپَجا بجائے کچّا یا اس کے برعکس عرّبی بجائے عَرَبی باندھا ہے۔ قبّاد بجائے قباد (کیقباد) ایک ہی شعر میں اُسی لفظ کو متحرک بھی باندھا ہے اور ساکن بھی جیسے

کسے بادشاہی تخت تاج دے
کسے تخت پر تے اٹھا راج لے

چرْخ کے بجائے چَرَخ کا :

دیکھیں کیا چَرَخ پھیرے آسماں

یہ ادبی زبان کو بول چال کی زبان سے قریب تر رکھنے کی کوشش ہے

۱۰- ناموں کو بھی ضرورتِ شعری کے مطابق توڑ موڑ لیا جاتا ہے جیسے ذوالقرن بجائے ذوالقرنین۔ سبتگیں یہ تلفظ سب بت تگیں باندھا ہے۔ تفالیا بجائے تفال خان عمادیا بجائے عماد شاہ، سیف عینُل یعنی سیف عین الملک

۱۱- ہندی طریقے سے مرکبات کی شکلیں، مثلے توڑ، گل پچار، منڈ بھوڑ ع

ہورن دھیر گرداں کھڑک جھوڑ ہیں

میں کھڑک جھوڑ، اسی طرح رن کھنڈل، میٹھ بولنیاں (شیریں سخناں) کبوتر بجا وغیرہ۔

۱۲- قافیہ اکثر صحت کے ساتھ باندھا ہے لیکن یہ مثالیں بھی ملتی ہیں۔ ادیبا کا قافیہ روسیاہ مات کا قافیہ زکوٰۃ، بچار کا قافیہ بچھاڑ، اندرسبا (سبھا) کا قافیہ زیبا، گل کا قافیہ پھُول (بہ وزن پھُل) سات (ساتھ) کا قافیہ سنگات

بیاضوں کا تعارف

آئیے اب ان بیاضوں سے بھی متعارف ہوتے چلیں جن سے فتح نامہ اور میزبانی نامہ لیے گئے ہیں۔

بیاض عـ۱ مخزونہ انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی جس میں فتح نامہ نظام شاہ (نسخۂ اوّل) اور میزبانی نامہ ہے، ½۹ × ½۵ کی تقطیع پر لکھی گئی ہے۔ متن میں ۱۱ سطریں اور حاشیے پر ۲۴ سطریں ہیں۔ عنوانات فارسی میں ہیں اور سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں خطِ نستعلیق خوشنما ہے اس میں کل صفحات ۱۰۷، اور دس مثنویاں ہیں (۱) معراج نامہ از بلاقی۔ (۲) خیبر نامہ از علی عادل شاہ ثانی شاہی (۳) محبوب نامہ از شمیر (۴) نصیحت نامہ از علی رتنی (۵) میزبانی نامہ از حسن شوقی (۶) فتح نامہ نظام شاہ از حسن شوقی (۷) تاریخ سکندری از نصرتی (۸) فتح نامہ بکھیری از میرزا مقیم (۹) چندر بدن و مہیار از مقیمی (۱۰) نجات نامہ از ایاغی۔ فتح نامہ نظام شاہ اور میزبانی نامہ کا متن اس نسخے سے لیا گیا ہے۔ کاتب کا نام اور سنِ کتابت درج نہیں ہے۔ میزبانی نامہ کا ترقیمہ یہ ہے "مرتب شد میزبانی نامہ سلطان محمد عادل شاہ، گفتار حسن شوقی" اور فتح نامہ نظام شاہ کا ترقیمہ یہ ہے "مرتب شد فتح نامہ نظام شاہ گفتار حسن شوقی"۔

بیاض عـ۲، مخزونہ انجمن ترقی اُردو پاکستان۔ کراچی۔ اس بیاض میں فتح نامہ نظام شاہ کا نسخۂ ثانی (ناقص) ملتا ہے۔ شروع کے صفحات دست بردِ زمانہ ہو گئے۔ کچھ ابتدائی صفحات آخر میں لگ گئے ہیں۔ یہ ½۸ × ۵ کی تقطیع پر لکھی گئی ہے۔ صفحات کی تعداد ۱۶۰ ہے۔ ہر صفحہ پر اوسطاً پندرہ سطریں ہیں ص۱ تا ص۶ فتح وجیا نگر (فتح نامہ نظام شاہ) کا آخری حصہ جس میں ۷۰ اشعار ہیں، ملتا ہے۔ اور ص۱۴۹ تا ص۱۶۰ اسی مثنوی کے خاتمے سے پہلے کا حصہ لگا ہوا ہے۔ ص۶ سے ص۵۲ تک ایک دوسرا فتح نامہ ہے جس میں بے سنگھ اور صلابت خاں کی جنگ کا فتح نامہ لکھا گیا ہے۔ یہ بیاض بہت کرم خوردہ ہے۔ خط شکستہ ہے۔

جدولیں بنیں ہیں۔ کہیں افقی انداز سے لکھا گیا ہے اور کہیں آڑا ترچھا لکھا گیا ہے۔ اس میں شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی کا فارسی "خواب نامہ" بھی ملتا ہے۔ مختلف لوگوں کے نام کچھ متفرق فارسی مکتوبات بھی ہیں۔ بیاض کے چھ صفحات میں علم رمل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں شاہ نعمت اللہ کا ایک فارسی مرثیہ بھی ہے۔ نوری کا ایک مرثیہ اور غریب کا ایک فارسی مرثیہ بھی اسی بیاض میں ہے۔ ان کے علاوہ آصف، والا، سیدن، عشقی، فقیر، منظر، مرید، قاسمی، اعتقادی، ولی، بادی کے مرثیے بھی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں مقیمی کی ایک مختصر فارسی مثنوی بھی ہے۔ جس میں بے ثباتی دہر کو موضوع بنا کر نصیحت کی گئی ہے۔ تخلص کا شعر یہ ہے۔

مقیمی نہ بینی دریں باغ کس
تماشا کند ہر یکے یک نفس

کاتب کا نام کہیں نہیں ہے۔ فتح نامہ نظام شاہ کا ترقیمہ یہ ہے

من نوشتم انچہ دیدم در کتاب
عاقبت واللہ والعلم بالصواب

تحریر فی التاریخ ششم شہر ربیع الاول ۱۰۹۶ھ من مقام بالاپور نوکری میرجی ...

املا کے بارے میں

زیادہ تر الفاظ میں نے اصل املا کے مطابق رہنے دیئے ہیں۔ صرف ہ اور ھ کو بدلا ہے تاکہ پڑھنے میں آسانی ہو اور شعر آسانی سے وزن میں پڑھا جا سکے۔ بعض لفظوں کو میں نے صرف الگ کر دیا ہے تاکہ لفظ کو پہچاننے میں آسانی ہو۔ یا پھر میں نے ایسے الفاظ کا املا درست کیا ہے جو اس وقت بھی صحیح نہیں مانے جاتے ہوں گے جیسے غوص اعظم کو غوث اعظم کر دیا ہے۔ ہجرت کو ہجرت اور نفصل کو نسل۔ ذیل

یہ ایسے قدیم الفاظ کی فہرست دی جاتی ہے جن کا املا تبدیل کیا گیا ہے۔

قدیم	جدید	قدیم	جدید
دہریا	دھریا	غوص اعظم	غوثِ اعظم
اونچہ	اونچ	بتحریر	بہ تحریر
نیچہ	نیچ	بتقریر	بہ تقریر
کدہیں	کدھیں	ستر	سطر
بیچہ	بیچ	طغرائے شاہی	طغرائے شاہی
گرچے	گرچہ	بسیری	بحری (نظام شاہ بحری)
لک	لکھ	چہتر	چھتر
لاک	لاکھ	دہنور	دھنور
بھر	بہر	سد	صد
موچہ	موچھ (مونچھ)	مندہیر	مندھیر
پوچہ	پوچھ (معنی دم)	ھجرت	ہجرت
کیگا	کے گا (کہے گا)	اندرسبہ	اندرسبا (اندر سبھا)
راک	راکھ	اٹّے	اُٹھے
گانٹہ	گانٹھ	پہوتے	پھوٹے
بجلدی	بہ جلدی	دہرتیں	دھرتے ہیں
رنگامیز	رنگ آمیز	تٹہ	تٹے (یعنی ٹوٹے)
میٹی	میٹھی	ھاتی	ہاتی
نچہل	نچھل	دیکہیں	دیکھیں
ستریا	ثریا	آنکہ	آنکھ
سنجہل	سنبھل	کہول کر	کھول کر

قدیم	جدید	قدیم	جدید
بحساب	بے حساب	ھمت	ہمت
آھن	آہن	ھجوم	ہجوم
کہتی	کہتے	گیے	گئے
بھار	بہار	کبھی	کبھی بھی کہیں
جتی	جتے	نتھا	نہ تھا
بھانت	بھانت	توسے قزح	قوسِ قزح
ٹھوک	ٹھوک	کلیدے ظفر	کلید ظفر
دہر	دھر	نامے الٰہی	نامِ الٰہی
جھبکنے	جھجکنے	نصل	نسل
صلح	سلح	گرمتر	گرم تر
کھندل	کھنڈل		

ترتیب کے بارے میں

(۱) فتح نامہ کا مکمل متن نسخۂ اوّل و ثانی کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ جہاں نسخۂ اول و نسخۂ ثانی دونوں میں اشعار مشترک تھے، وہاں نسخۂ اوّل کے اشعار متن میں لیے گئے ہیں اور اختلاف کو حاشیے میں ظاہر کر دیا ہے۔

(۲) وہ اشعار جو صرف نسخۂ ثانی میں تھے انھیں نسخۂ اوّل میں موضوع کے تسلسل کے مطابق ملا دیا ہے اور یہ عمل مثنوی کے صرف آخری حصّہ میں کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ شعر ۴۴۸ سے شروع ہوتا ہے نسخۂ ثانی کے یہ اشعار نسخۂ اول میں شامل کیے گئے ہیں۔

اشعار نمبر ۴۴۸ تا ۴۶۴

اشعار نمبر ۴۶۷ تا ۴۶۸

اشعار نمبر ۴۷۴ تا ۴۷۵

اشعار نمبر ۴۷۷ تا ۴۹۰

اشعار نمبر ۵۰۱ تا ۵۰۹

اشعار نمبر ۵۶۴ تا ۶۲۰

یہ وہ اشعار ہیں جو نسخۂ اصل میں نہیں تھے۔ اختلافات حاشیہ میں ظاہر کر دیا ہے۔

۳۔ ان اشعار کو جو دونوں نسخوں میں الفاظ و ترتیب کے لحاظ سے، قطعی ایک تھے ۲ کا نشان بنا دیا ہے۔

۴۔ فتح نامہ نظام شاہ موجودہ شکل میں ۶۲۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ میزبانی نامہ ۲۱۴ اشعار پر۔ غزلیات کی تعداد ۲۹ ہے اور اشعار کی تعداد ۲۰۵ ہے۔ اس طرح جملہ اشعار کی تعداد ۱۰۳۹ ہو جاتی ہے۔

۵۔ [illegible] متن سے نکال دیے گئے ہیں اور مخطوطات کے تعارف میں شامل کر دیے ہیں۔

۶۔ انجمن کا لفظ جہاں جہاں آیا ہے اس سے انجمن ترقی اردو پاکستان مراد ہے۔

۷۔ میزبانی نامہ کا چونکہ ایک ہی نسخہ تھا اس لیے اختلاف کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۸۔ حسن شوقی کی دو غزلیں جو سخاوت مرزا صاحب اور حسینی شاہد صاحب نے دریافت کی تھیں ان کا اختلاف حاشیہ میں ظاہر کر دیا ہے

۹۔ صرف ان دو بیاضوں کا تعارف کرایا گیا ہے جن میں فتح نامہ اور میزبانی نامہ تھا۔ باقی وہ بیاضیں جن میں حسن شوقی کی ایک ایک دو دو غزلیں تھیں، چھوڑ دی گئی ہیں۔

جمیل جالبی

کراچی ۱۲ مارچ ۶۷ء

حسن شوقی

فتح نامہ نظام شاہ

تصنیف ۹۷۲ھ مطابق ۱۵۶۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی کرم کا کرن ہار توں | ہے اوّل و آخر رہن ہار توں
سو قادر ہے قائم توں پروردگار | توں نادر ہے دائم اپیں برقرار
کیا ہور کرتا کرے گا سو ہوئے | تیرے باج ہرگز کرے نا سو کوئے
رہے ملک تیرا سدا برقرار | کسی کوں نہیں باج تیرا اُدھار
بنایا خلائق کیتے دھات کے ۵ | کیتے نیک مرداں اتم ذات کے
یکس تے یکس کوں کیا نامدار | خدا کی صفت کوں نہ کچھ انت پار
کسے بادشاہی تخت تاج دے | کسے تخت پر تے اُٹھا راج لے
کیتاں کوں کیا انبیا اولیا | کیتے کافراں کو کیا روسیا
محمدؐ نبی کوں دیا سروری | ختم ہوئی جنن پر سو پیغمبری
سو قرباں دو جگ اوس تُوُل لال پر ۱۰ | درود اوس کے اصحاب ہور آل پر

شروع جنگ کردن رام راج و نظام شاہ و عادل شاہ و قطب شاہ و برید شاہ

ایتا میں کہوں نیک مرداں کی بات | دیا تھا خدا نے جنن کو شجات

کیتے ہوگئے نیک مردانِ دیں — جنن کا اتھا صدق صادق یقیں
کتے زر پر اُپکار کے اہل درد — بَدھا کے اپس کا اپیں نام مرد
سکندر و ذوالقرن تے دیکہ سَد — جن یا جوج ماجوج کے باندیا ہے حد
عدل سوں کیا ناوں نوشیرواں — سو قبادتے بِرد چلتا ہُماں ۱۵
فریدوں دیا تخت کوں بھی رواج — کہ خسرو دیا تاجداراں کو تاج
چلے داب داراتے یو برتری — مہر کو سلیماں تے انگشتری
اتھے پہلواناں میں حمزہ قوی — تھے پرشش میں محمود شہ غزنوی
کیا عشق مجنوں نے دیوانگی — جو رستم تے چلتی ہے مردانگی
کیا جام جمشید جیون جمجا — دیکھا یک طریقت کیا رہنما ۲۰
صفت ہے جو بلقیس کے سر کے بال — جو صورت میں ہو گئے بدیع الجمال
عطا تھا سو الحان داؤد کوں — دم عیسیٰ و تکلیم موسیٰ کہوں
کیومرس نے تاج پنچیا کلا — جو بہرام نے لے سنواریا صلا
تفحص میں ہو کے سو سُبُکتگیں — ہنر پروری میں تو خاقانِ چیں
تو مقبول حق کے سو مقبول ہو — کہ فردوس جنت کے سب پھول تو ۲۵
چلے ضبط فیلاں پہ ھارون کا — دیا گنج پر گنج قارون کا

پُر اُپکار بکرم، ہوا کا مگار — سخاوت میں حاتم، ہوا نامدار

دَکھن میں ادک زور ور رام تھا — دو ارجن کیرے بان کوں نام تھا

کیا کشن اوتار میں ایک ہو — کہ کوگج نے ڈونگر کیا سب گرد

ہے تعریف جگ میں تو اندر سبھا[1] — ۳۰ سو ڈنگ ناچ میں شہ پری خوں زیبا

عمارت میں شداد کا ناٹوں تھا — دو دوزخ سو فرعون کا ٹھانوں تھا

دو مغرور تھا زور ہامان مست — تھا نمرود جگ میں دو آتش پرست

گیا رام جیونکہ دو راون پہ چل — لیا کوٹ لنکھا سو سیتا بدل

پتی ورت ناریاں میں سیتا ستی — نہیں جوڑ فیلاں میں ایراوتی

کیا ناٹوں سدوں منے بھارتی — ۳۵ اتھا کشن ارجن کیرا سارتی

یو کا فیر سگلے ہوئے بر طرف — نبی کا سو ہے دین پکڑیا شرف

سدا ہے سو بھرپور دریا کوں جل — شرف ہے سیپی کوں سو موتی بدل

شرف مرد کا ہے چلنت خوب خاص — جو پھولوں کی خوبی سو پھولوں کی باس

ہر یک ملک میں نیک رفتار ہے — ہر یک قوم میں نیک گفتار ہے

خراساں کے شاہاں ہیں شمشیر بند — ۴۰ روہیلے پٹھاناں دگرزے کمند

---

[1] اصل املا اندر صبا تھا یعنی اندر سبھا۔

عرب ہور عجم ملک لڑنے کوں زور ۔۔۔ وو رایل جیتے راج ہیں دُزد چور

وو حکمت کیرا ملک ہے روم و شام ۔۔۔ طرف کربلا کے شہیداں تمام

وو ایران و توران ہور ملکِ سند ۔۔۔ اہیں پُرعقل بادشاہانِ ہند

ہنر کا جتیا لوگ ہے مغربی ۔۔۔ وو جامع اہیں گنج کے مغربی

وو قبطی فراست میں ہیں زور ور ۔۔۔ ۴۵ ۔۔۔ شمالی جیتے بے فہم گائے خر

سو افضل میانا ہے ملک دکن ۔۔۔ ہوئے یاں کے شاہاں جیتے خوش بچن

ہے مشہور اس جگ میں فیروز کا ۔۔۔ صفت ہے سو احمد کے لوزوز کا

عادل شہ لکھا دیں علی کے غلام ۔۔۔ نظامشاہ بحری لکھا دیں نظام

عدل دادہور دے دہش کوں اگل ۔۔۔ کیا بادشاہی سو بازو کے بَل

قطب شہ کے گھر میں سدارا اجوٹ ۔۔۔ ۵۰ ۔۔۔ بُریدی تھے جزوی ولے جیو کے گھٹ

اپس میں اپیں دوست سب مل ہوئے ۔۔۔ محبت سوں اخلاص یک دل ہوئے

نزاع دل میں کا دُور کیتے نفاق ۔۔۔ اپس میں اپیں مل کیئے اتفاق

یو سب مل کے یسا کیئے یک پنا ۔۔۔ جو اِس کفر کوں مار کرنا فنا

کیئے بھاگ سوگند و عہد اُستوار ۔۔۔ یو غازی غزا پر ہوئے برقرار

نکو ڈربلاتے جو شب درمیاں ۵۵ دیکھیں کیا چرخ پھیرہے آسماں
کہ نسدن پھراتا یو چرخِ فلک کہ ہر یک فلک سات کے لکھ مَلَک

رائے اندیشیدن رام راج با وزیرانِ خود برائے جنگ کردن بہ نظام شاہ

وہ محبوب نسکے سنوارے اپس مرصع زرِ نیا نگارے اپس
سو کو کم و کیسر چوا ہور چندن لیتے مشک کے اونٹ چندربدن
کھولے بال سر کے سو کالے دراز سنوارے بیٹھے لے گئے اپنا سو ساز
وو موتی گگن کے سو تارے ہوئے ۶۰ دویس پھول سارے تارے ہوئے
لیتے ھات میں چندر کی آرسی کاڑے مانگ جیوں کہکشاں سار کی
بھرے مانگ نس نار سیندور سوں لگائے کلا مشک کافور سوں
ہوئے رائے ہور دیس مل کر سنجار سبز آ پھولیا ہیم بجلی منجھار
سو کبریت احمر کیا کا پرے سٹیا بیس باری یہ کل کھا پرے
کیا سات ہرتال سوں لاجورد ۶۵ دھریا سیام ابرک میں مُنتیل زرد
کیا کیمیا جب گگن بھر تری زحل دے گیا، لے گیا مُشتری

ے مخطوطے میں "کہ" تھا۔

چلیا تنت لے نات تھالے کھیکھیر　　کیا گرد کر راک مٹ میں بکھیر

کیا پھونک بھر کے ترٹی تا پڑی　　اوڑیا ہاتھ گھٹ کا لے جل کا پڑی

کلیجا کیا نرمتر کو یلے　　کیا راک برڑا کہ کر کوئیلے

جگا جوت جو کے جو لیتا سماد　۷۰　کیا ہیم لے ناگ دیتا رماد

رمیا سُدّ لئے سُور کے سار کوں　　کیا ڈال دے موس ہور جھار کوں

رکھیا سور چیلا کہ چندر کے تیں　　چلیا آپ ملنے مچھندر کے تیں

ہوئی نار گلزار نمترو دکی　　زرہ زال پینیا سو داؤد کی

ڈوبے قاب زریں سو غرقاب میں　　گئی حور زنگی کیرے خواب میں

حبشنی پھولن چیر سر پر لیا　۷۵　ترک دیکھ پر نار سر تل کیا

حبش تے جو پرگٹ ہوا چندروپ　　حبشنی جنی ترک چینی سروپ

بیٹھا کاگ کالا اوڑیا راج ہنس　　اوٹھے سیام سندر سو تاراج ونس

پڑیا پھول پر جب بھنور پنکھ پسار　　چھپیا ترک زنگی کھڑا آشکار

بیٹھا دھن اوپر آو کر کال جو　　ہوا سور تل چاند اوپر ال جو

بیٹھا شیر جب آو جالے منجھار　۸۰　کھڑا خرس تب آو دنداں پسار

بیٹھا رام تب آسیاسن اوپر　　مکٹ مال گل گھال ابرھن اوپر

۸۰ (الف)

سو ڈنڈوٹ کئے آ و کر رائے سب ۔ جیتے رائے رایل پڑے پائے سب
پڑے آ وُ کر آ ڑ جو سی جیتے ۔ مہا پنڈتاں ہور مجوسی جیتے
پجاری سو دیپ مال بالن لگے ۔ سو جنگم گوکل دہوپ جالن لگے
پڑیا آ وُ بھارت کے تیں سیام داس ۔ کھیا رام کھٹکا جتا رام داس
یُتماں کہے رام کوں داس تجہ ۔ ہری رام کی آس یا آس تجہ ۸۵
جڑت تھان میں نور تن آرتی ۔ او بھے ہور ہے رام پر وارتی
کیا رام خلوت سمنے انجمن ۔ بلایا جیتے رائے ہور رائے زن
چندر بھان یلمّم وینکٹا دھری ۔ جنن بھار سوں دھرتری بھتر بھتری
رتن جڑت چوکھی رکھیا سامنے ۔ کھیا بیس مجہ آ منے سامنے
سو بل رام بھجبل بلندر کے تیں ۔ بلندر کوں ہور رامچندر کے تیں ۹۰
کہیا رخت دولت کے تم تھانب ہیں ۔ تمیں مردمیداں کے رن کھانب ہیں
گگن سات میں پانچ اور کن تمیں ۔ مہا رائے ہیں پر مہا جن تمیں
دہرم بھیم ارجن لکھل ساہ دیو ۔ تمیں پانچ پانڈو تمیں ماہ دیو[1]
تمیں پانچ تن مل کے یک بُد کہو ۔ تمیں پانچ جن مل کے یک سُد کہو

[1] مہا دیو۔

بہوت دن تے چھاتی منے سل اہے ۹۵ نظامیا سوں مجہ آج سوندل اہے

مجُھے راج جگ کے کہیں راج راج دلویں باج سارے مگر ترک باج

بیٹھاویں مجے رائے ہستی بھنڈار بیٹھاویں مجے رائے ابر ہن نکھار

بیٹھاویں مجے نار ہور کار لے بیٹھاویں مجے سار ہور تار لے

بیٹھاویں سمند رخراسان تے بیٹھاویں شتر مُرغ الوان تے

اگر وارثِ ملک فغفور یاں ۱۰۰ وگر حارث ملک سلغوریاں

بیٹھاویں مجے باج حاجب سنگات نظامیاں تخابن سوں کرتا نفات

نہ جیتل دکھاوے نہ پیتل مجے کیا نیر میرا مرک جل مجے

ڈراوے کدہیں تیغ بُرہان سوں ڈٹاویں کدہیں ملکِ میدان سوں

نہ یو دیو جانے نہ جانے پَری سدا ہت ترا رُوئے بازی گری

نہ جانوں کہاں کیا نو تھی اتھار ۱۰۵ نجانوں کہاں دھیان پنتھی اتھا

بڑا کاے کا ٹو نہ ادس رام دھیان نہ چھوڑے جو پاوے کدہیں کام دھیان

بیٹھایا جو تھا رائے رس منجری کیا خوب تاریخ. لو زنجری

ندیتا سنیاسی و تپسی کے تیَں نہ بیدمال باچے بچیسی کے تیَں

۱؎ مجے۔ مجھے

جو باچے جیکوئی کر بھو نگم پُران　　کہے کچھ نہیں سب جو ہے سو قران

چھو راگ چھتیس[٣٦] بجے بھارجا　　نہ پوجے نہ بوجے کہ ہیں سار جا　۱۱۰

نہ بھکشن، کوں مانے نہ راون کے تیں　　سراوے کدھیں ٹک سٹرون کے تیں

سوالی وُسکری کوں مانے نہیں　　بجز دیتے دو کس پچھانے نہیں

اجت وار سادھے نہ دو سو موار　　نہ بوجے بجز سار ہور سار کار

اکاس اونچ پاتال جی نیچ ہے　　جو آکاس پاتال کے بیچ ہے

سو سُمرن کریں سب ہری رام کی　　ہری رام کی ہور میرے نام کی　۱۱۵

نہیں مانتے اشٹ درسن مجے　　سو گو بند ہے آج پرسن مجے

مجے آج پرسن اہے دھرتری　　مجے کال درسن دیا بھرتری

مجے بخت دولت سوں بھاری اہے　　مجے فتح و نصرت سوں یاری اہے

نہ ہُنونت گرجے مرے راج میں　　اہے گرج میرا ترے راج میں

نہ و بشن برما نہ وہ شست ہے　　جو کونچے پٹن پر اوسے دشٹ ہے　۱۲۰

جو چودا بدیا ہور چوشصت کلا　　دیا نی دے مجکوں کیا نرملا

اہے کم تے کم دو جو تُرکوں تے کم　　کدھی تے ادک دو جو مُرکوں تے کم

نہیں گرچہ شعلا اہے کو لتے　　نگہ راکھنا آپ نے دولتے

کرن جائے اپس کرن تھیں اَدھا — سمدر کے تیں میٹ دیوے اُدھار

رائے دادن وزیران، رام راج را، دَرباب جنگ نظام شاہ

کہیں رائے سب وو تُرک کون ہے — کہ جس مکہ کے جل میں پیتا لون ہے ۱۲۵

پرسرام تے پار دے وو نبر — جو مکڑی کے جالے میں پکڑے مگر

سو توں رام رایاں کیرا راج ہے — سو تجہ داس کے داس ہنکلاج ہے

تجے چیکیتے کرڑ کی آر ہے — تجے باک نکہ سنکہ ونت سار ہے

سو بن سیس بُجبَل دسا سیر توں — سو بن پونچھ ہنو نت ساوِیر توں

نہ توں دیو مانس مگر دھج اُہے — دھجا بھر چھتر تجہ مگر گج اہے ۱۳۰

سہاوے سدا میک ڈنبر تجے — بھدر پائے تَل سیس انبر تجے

مہا گج کوں لوڑے تو چابے کچا — کہ سیمرغ تجہ کَن کبوتر بچا

ستم چابسی سیس توں ناک کا — جو بہمن نہ چابے ڈنڈل ساک کا

سو باگاں کے لنبت میں توں باگ ہے — کہ جیوں باگ تیرا پتر ساگ ہے

کہیں کوئی دُرجن سو انصاف سوں — کہ عفریت آیا ہے کوہ قاف سوں ۱۳۵

ببر راج بنڈا مہا جوج توں	نہ یاجوج چھوڑے نہ ماجوج کوں
کہاں رام راجا کہاں شہ حسین	کہاں بحر قلزم کہاں قُلتین
توں گرمی منے شاہ تے کم نہیں	تو سردی منے ماہ تے کم نہیں
اندھارے اوجالے کوں توں ہو پچھانو	خرابی کو ڈونگر وبستی کوں گانوں
دو گرمی کرے توں سوں سری سوں ٹال ۱۴۰	دو سردی کرے توں تو گرمی سو جال
منگا بھیج دے سار ہور ٹارلے	منگا بھیج دے نار ہور کارلے
منگا بھیج دے اُشتراں کابلی	منگا بھیج دے اشتراں ذابلی
منگا بھیج دے عود و عنبر گھنا	منگا بھیج دے مشک واذفر گھنا
منگا بھیج دے کوس سیمیں بہوت	منگا بھیج دے نائے زریں بہوت
منگا بھیج دے تاج ہور تخت کے ۱۴۵	منگا بھیج دے نقد ہور رخت کے
منگا بھیج دے گرز روئیں تنی	منگا بھیج دے خنجر بہمنی
منگا بھیج دے افسر سنجری	منگا بھیج اور رنگ بوزنجری
منگا بھیج دے تیغ برھان کوں	منگا بھیج دے ملک میدان کوں
بھلا کن کیا جو دیا بھیج کر	دگرنیں تو کہہ بھیج دیں بھیج کر

نامہ نوشتن رام راج بہ نظام شاہ وطلب کردن بعضے اشیائے عجائب

اتھا کوئی پانچوں بچھانے دبیر ۱۵۰ کرے مشک افشاں بروئے حریر

اول مان ہور پان تس راج ٹھانوں گہربار لکھنے کنک کیسر نا لوں

کھیا رام یوں کر کنک کیسر کوں توں قبضا ہوا تیغ تدبیر کوں

مجے مہر پر نقش تکثیر ہے مسخر جیتا دیو ہور بیر ہے

پورب لکھ توں پربے ہری رام کے پچھیں لکھ توں مقصود مجہ رام کے

نظامیاں کوں فرمان یوں لیکھ توں ۱۵۵ جیتے قاعدے ہندوی سیکھ توں

سو گوبند جگ دیو گوپال ہے سو رکھپال کرپال دیپال ہے

سو بھگوان بھگونت کرتا رہے سو کل دیس پرمیس اوتار ہے

وہی شست دسور وہی بشن ہے وہی اِندر برماں وہی کشن ہے

توں شداد ہور عاد ونمرود کوں جدا کر نہ بوجے توں معبود سوں

اگر فیل و مور اژدر دبق اہے ۱۶۰ ہریک شے منے مظہرِ حق اہے

توں کرتا ہے انکار کفار سوں نہ کفار سوں بلکہ کرتار سوں

اہے کفر و اسلام کرتار کا جو جینے میں تھاگا سو زنار کا

ولے جو ہوا سو موحد ہوا — موحد ہوا نیں سو ملحد ہوا

کہے شیخ سعدی نے عالم کو پند — بنی آدم اعضائے یک دیگراند

ولے سیس میں رائے سو پائے ہیں — ولے روح میں جسم سو رائے ہیں ۱۶۵

نہ کھاوے کدھیں ماس توں گائے کا — جسے سیس پیتک ہوا رائے کا

مکے ٹھانوں ترمل کے تیں بوج توں — عرب چھوڑ جنگماں کے تیں پوج توں

دہونڈا کوڑ ہور سب جتیاں کا نورد — نیا سے کدہیں جیوں جنگم یا درد

یلورا سو پرمل تے نرمل اہے — یلورے تے نرمل سو ترمل اہے

توی کر یلوری کی بنیا د کوں — جو خجلت اپجے قصرِ شدّا د کوں ۱۷۰

نہ کم مان دے دولت آباد کوں — نہ سر پار کر دیکہ شمشا د کوں

سوا لاکھ پربت کوں کاٹھی بٹھاؤ — بہر سال کندن کے لاٹھی بٹھاؤ

بہر صبح کوں پڑھ توں پانچوں پران — بہر شام کو پانچ پانچوں بکھان

عرب تے عجم پر بڑائی نہ کر — عرب ہور عجم سوں لڑائی نکر

تفالیاں کوں جانے توں اپنا عزیز — گرا و بے ادب ہے، توں ہو باتمیز ۱۷۵

اگر سیف عنیلُ اتھا ہ بدسگال — بھلا تیں کیا جو دیا گوشمال

جہانگیر خاں جو اتھا بے نظیر کہیں دل تھمن جس براڑی وزیر
اوسے خاک خوں سوں برابر کیا قباحت توں اوس سوں سر اسر کیا
اکاسے کے تیں جب لیا ڈڑ بڑا تو محمود پیکر کیا ڈڑ پڑا
فرنگیاں کی دارو تو پوری کیا جو قابض دنڈا راجپوری کیا ۱۸۰
قبض توں جو ناسیک تر بنک کیا جبل پاڑ کر توں مُشبتک کیا
ستر سنگ لیا ہور تر سنگ ہوا ہری رائے رایاں سوں بھر سنگ ہوا
مضٰی ما مضٰی جے ہوا سو ہوا ابھیں رام داہی تے نا ہو جدا
کبھیں تَٹ بیٹھے بُرڈ ہو نہ مات میرا باج یوں جیوں خدا کی زکات[1]
مجے باج میں بھیج دے روم خاں دوجا بیگ مخدوم خواجے جہاں ۱۸۵
حشم سات دے کر اسد خان کوں بیٹھا بیگ دے ملک میدان کوں
تھنار ن کھنڈل ہور بڑا بھر کیواڑ بیٹھا کال پر آج جھگڑا انباڑ
چلا زیج دے بیگ مصری حکیم شفا ہور قانون ستر لاب سیم
سو ہے منجلی عیب ہور ریب تے علم غیب پایا جنے غیب تے
بیٹھا مجہ کنے بیگ تُلسی کے تیں کیا سو تشکرت جن ایسے (کے) تیں ۱۹۰

[1] زکات = زکوٰۃ

بیٹھا پاتراں ڈومنیاں لولنیاں — جو ہیں راگ کے جوگ میٹھ بولنیاں

شکربار شیریں نمک ریز کوں — سمن زار پر دیں دل آویز کوں

سہی سرو شمشاد عرعر کے تیں — سو دلدار دل شاد دلبر کے تیں

دلارام چنگے کوں بازیب و ساز — بیٹھا دیں بدرگاہ گردن فراز

جو نٹوا اہے کوئی بیدنگ میں — ١٩٥ — سو نادنگ بیدنگ بر دنگ میں

صراحی ہری جو زبرجد کی ہے — سو سلطان فیروز کے جد کی ہے

پیالا سو یاقوت کا احمدی — بہابے عدد از عدد ابجدی

مرصع کے تختے اوپر نرد ہے — کہ جس پاس طاسِ فلک گرد ہے

سو ہیں خاص الماس کے کعتبین — سو نیر دو ہیں نیرنگ میں مرتین

ہویاں رائے کیاں رانیاں مایلاں — ٢٠٠ — کہ بلقیس کے پانوں کیاں پائلاں

خونزا ہمایوں کے ہے پاؤں میں — بیٹھا بیگ دیگر نہ لیا تاؤں میں

جو گہنا اہے ہندوی ریت کا — جواہر جو ہے بکرم آجیت کا

ترنگ راؤ جس آہنی سم اہے — جسے دُم سو نصرت کی پرچم اہے

فرشتہ اہے پن اوسے پر نہیں — بجلدی فرشتے تے کمتر نہیں

بہ ہنگام گرمی اہے شیر دل — ٢٠٥ — کہ جیوں ریگ ماہی پھرے زیرِ گل

بطوفان آتش سمندر اہے	شرفناک جس پاتے بند راہے
سو ہے بحر زخار کے تاوڑی	اوڑے بادصر سے جیوں داوری
سو ہے تخت گویا سلیمان کا	جسے جھول ہے لیف خاقان کا
سو تازی ہے تندی میں اژدرہاں	تحمل منے کوہ سوں تواماں
نہ گل گوں نہ شیدا نہ دُلدل اہے	کہ جس گل اوپر شاہ بلبل اہے
۲۱۰
جسے دیکھ حیران ترلوگ ہے	نہ تجہ جوگ وو رام کے جوگ ہے
یتا باج گر بھیج توں مجہ دیا	سیوا ساکہ احمدنگر تجہ دیا
بیٹھا اوس اٹمبر لٹنبر کے تیں	سو ہر چھتر (ہے) میگ ڈنبر کے تیں
جیتا میں کہیا سو دتا بھیج دے	وگرنیں تواپ کور کا میج دے
یتا سب بیٹھانیں تو پھر کوچ کر	ایا ہورلیا تجہ کو لوچ کر
۲۱۵
مجے آن بھگوان بھگونت کی	مجے آن ہنونت بلونت کی
مجے آن کرپال گوپال کی	مجے آن دیپال بیتال کی
بھولو پنت مجہ کوں اجریال کا	بھولو راج مارک سو بتیال کا
نہ پھوڑو مجے نیر گوداوری	نہ چھوڑو مجے نیر کا لندری

نجا ڈُ کدھیں پانوں کاسی کے تیں ۲۲۰ نہ دیو ڈُکدھیں ہت سنیاسی کے تیں

نہ میلو کدہیں میٹ بن بھوجنہ نہ میلو کدہیں نیت نت دھوجنہ

نہ سیئو مجے جن جنبو دیپ کے نہ ہوڈُ بجے دھن دنبو دیپ کے

نہ ہوئے پرسرام پرسن بجے نہ دیو ڈُ کدہیں دیو درسن مجے

اگر آج سرتے چلے اڑ لنکھا دگر کال سرتے پڑے پڑ لنکھا

نہ ترکاں کوں چھوڑوں نہ ترکی کماں ۲۲۵ اگر گیو رُستم حاضر ضماں

زآبِ بھنور تا لبِ نربدا نہ چھوڑوں تونگر نہ چھوڑوں گدا

نہ چھوڑوں کدہیں کدخدایانِ ہند نہ چھوڑوں کدہیں کدخدایانِ سند

نہ چھوڑوں مُلانا نہ چھوڑوں فقیر نہ بڑکا نہ لڑکا نہ برنا نہ پیر

کروں دور بنیاد اسلام کی جو مانے دُراہے جگت رام کی

ہری داس کوئی بن ہری سیام تھا ۲۳۰ جسے بھُت کلا شترا لغام تھا

کھیا رام یوں کر ہری داس کوں نظامیا کوں یوں کہ تزک بھاس سوں

ہری داس یتوں مانگ کریان لے چلیا پوچھ رخصت سوں فرمان لے

سو فرمان جب آن حاجب دیا تسے شاہ سُن تب تبسم کیا

طلب کردن نظام شاہ وزیران خود را و با ایشان مشورت کردن

سو دارئے فغفور قیصر پناہ — قبا بین، چینی و رومی کلاہ
ہوا جلوہ گر بُرج دولت منے — جواہر بھریا دُرج دولت منے ۲۳۵
اپس آپ دیٹھا سنبھل منجھار — ترنج معنبر سٹیا جل منجھار
زرہ نیلگوں بھان جوشن کیا — شب قدر کوں روز روشن کیا
مبارک ہوا شہنشہ کوں روی — لوا چاند نوروز ماہ نوی
ہمیشہ اچھو شاہ کوں خسروی — نوا سال نوماہ روز نوی
سہر سرفراز ان دین پروراں — کیا سرد کا لائے رامش گراں ۲۴۰
دھریا سر اوپر افسر سنجری — بہ آئین شاہانِ بو زنجری
بیٹھا تخت اوپر او جمشید وار — زر افشاں کیا دست خورشید وار
طلب تب وزیراں کو سارے کیا — حضور آنے کوں سب کوں رخصت دیا
سلحدار سردار جیتے وزیر — نہ گھر میں رہیا کوئی برنا و پیر
دو رستا کھڑے شیر شمشیر بند — بشمشیر و خنجر بگرز و کمند ۲۴۵
دو زانو بیٹھے آ، لشکرکشاں — سو چو گرد ٹھاڑے رہے سرکشاں

نسکیں یکس ایک کوں دور کر — نہ دیکھیں یکس ایک کوں گھور کر

نہ گج گھاؤ نو ڈر نہ گج دانگڑا — نہ جگ تھاپ شہزا نہ جگ سانگڑا

جگا جوت جگ بھانپ جگ پاوڑا — طبل دیس دیوٹیاں نہ جگ کھاوڑا

نہ بانا نہ پٹا نہ لانبی کٹار — سو کُردی فرنگ ہور کِتے باگدار ۲۵۰

نلے توڑ گل پھاڑ مُنڈ پھوڑیں — ہورن دھیہ گُرداں کھڑک چھوڑیں

نڈایں پکھو برد و مُوچھ بن — ایس شیر یو شیر کی پُوچھ بن

سوا لاکھ دیتا یکٹ سار کوں — یکٹ سار کُو چلے یکٹ بھار کوں

سو سر بھویں دھرے عالم ہور خاص خاں — سو فرہاد خاں ہور اخلاص خاں

نہ بھایا خداوند منخوق کوں — کہ سر بھویں دھریں خلق مخلوق کوں ۲۵۵

کیا حکم تب شاہ عالی تبار — نہ سر بھویں دھریں جز بہ پروردگار

جو سر بھویں دھریں آج تے جز خدا — کہ لوٹیں ایس سیس تن تے جدا

جھتیا ہوا بزم شاہنشہی — کیا صدر نا محرماں تے تہی

بولایا جیتے مجلسی خاص تھے — دھرن ہار جو شہ سوں اخلاص تھے

بولایا جیتے کل وزیراں کے تیں — جواناں سمنے میر میراں کے تیں ۲۶۰

یکس ایک تے پاک تھے صاف تھے — اکابر اتھے ہور اشراف تھے
بیٹھے گرد برگرد یوں سارے — توں کے گا[1] کہ شہ چاندیو تارے
کھیا شاہ نے بوالمعانی کے تیں — ابوالفضل ہور بوالموالی کے تیں
یفا خان کوں ہور وفا خان کوں — شمس خان کوں ہور بدر خان کوں
قضا خان کوں ہور قدر خان کوں — ظفر خان کوں مصطفی خان کوں ۲۶۵
سگل کنگورے برج دولت کے تم — اموںک رتن دُرجِ دولت کے تم
منور تمن تے یو ہے بارگاہ — مزّین تمن' تے یو ہے کارگاہ
حکایت کیا شہنشہ رام تے — شکایت کیا چرخ بدرام تے
دیا شاہ دُشنام ناپاک تے — تنگ آیا ہوں اس خرسِ ناپاک تے
نہ پیراں کو مانے نہ میراں کے تیں — مدبر کو جانے دبیراں کے تیں ۲۷۰
سو مسجد کے تیں پاڑ ویران کرے — موذن کے تیں مار حیران کرے
نہ مانے کدھیں کس نمازی کے تیں — دیوانہ کہے فخر رازی کے تیں
مجاور کے تین خوار کر لاٹیا — قبر کھول کر خوک و خر کاٹیا
جلایا جیتے ھاڑ کوں جھاڑ جھاڑ — کٹایا سرو سب سٹیا پاڑ پاڑ

[1] اصل املا "کیگا".

کیا خاک جل پھوڑ سرور جیتا ۲۷۵ کیا جاں کر اک تر ور جیتا

جیتا چور ہور سا و ساغر کیا ستم فربہ و عدل لاغر کیا

کُمیتِ ظفر مجہ کہن لنگ ہے سو شمشیر نصرت اوپر زنگ ہے

نہ دارو اہے خونِ بدکیش بن نہ چربی اہے مغزِ بداندیش بن

ارے پاڑدے ار دیا نگرٹ بناں اہے نیم مار و سو سانگرٹ بناں

اہے رام سوں ہست پانگرٹ تمیں ۲۸۰ مجے بحر سوندل کوں سانگرٹ تمیں

نہ مُجہ آس دھن، دین کی ریس ہے میرا کھڑک ہور رام کا سیس ہے

کلیجا مگر کھائیا مرگ کا جو پانی منگے پیونے کھڑگ کا

سو ہے سنگ سرا و جاری تمیں مجے باغ حرمت کو یاری تمیں

تمیں سب جنے مل کرو یک بچار جو تس رام کا سیر کاٹیں پچھاڑ

جواب دادن وزیران نظام شاہ را در باب فکر رام راج

سچیں میر میراں نے میری کیا ۲۸۵ جوانی کوں در حال پیری کیا

دھرت چوم بولیا جہاں پہلواں کہ اے ختم شاہانِ آخر زماں

سدا جیو راجے جنم راج کر جے کچہ کال کرنا سو توں آج کر

تُھیں شاہ رستم جو سینسار کا   کہ رستم نہ تھا بلکہ تجھ سار کا
کہ جس سار کا توں ہوا سارتی   سو باپنجیا د و سونسار کے بھارتی
کیا سار سو سار سو نسار کی   ۲۹۰ دیا داد توں سور ہور سار کی
سورج باپ ہوئے چندر ما کد ہیں   نہ اوپجے تمن سا چندر ما کدہیں
اگر یوسفِ مصر پورب ہوا   ولے آج توں اِت اپورب ہوا
ہمیں سیو کاں توں گسائیں اہے   ہمیں سینپ تو ابر سائیں اہے
نہ کر فکر کچھ رام کے کام کی   نہ اس رام کی بل ہری رام کی
تجے فوج سدِّ سکندر اہے   ۲۹۵ اتا قا سو جبریل کا پر اہے
تجے لشکری سخت الماس ہیں   تجے داما.... بلیناس ہیں
تجے چرخ بازو کھرگ برق ہے   اوسے سنگ خارا اگر فرق ہے
تجے پہلوان رستم و گیو سے   اوسے دیو دگرچہ جگ دیو سے
تیرے لشکری سب مغل کش اہیں   کہ جیوں مرد دانا جبل کش اہیں
اگر پیش رو شبہ کرے قہر کوں   ۳۰۰ مسخر کرے ماورا ءالنہر کوں
تجے چہل ابدال ہیں دوستاں   تجے یار پیرانِ ہندوستان

ادسے بیربل ہور تجے پیربل ۔ جہاں پیربل تاں کہاں بیربل
سوتوں پیر ہور رام سو ویڑ[1] ہے ۔ سوتوں شیر ہور رام خنزیر ہے
توں الماس ہور رام پاکھان ہے ۔ توں انسان ہور رام حیوان ہے
تجے جوے[2] دولت کوں جل تھل اہے ۔ ۳۰۵ تری شاخِ نصرت سدا پھل اہے
کہیں خاص سب غوث اعظم تجے ۔ کہیں عام سب قطب عالم تجے
تجھے سور کہتے جلالی جیتے ۔ تجے نور کہتے جمالی جیتے
عدالت نے تیری صلح کل کرے[3] ۔ ہم آغوش شکرہ و بلبل کرے[3]
جتیا مرغ و ماہی اماں در اماں ۔ کم آزار ہے شاہ آخر زماں
ہزار آفریں میر کے پیر اوپر ۔ ۳۱۰ کیا شیر کوں چیر نخچیر اوپر[4]

نامہ نوشتن نظام شاہ بہ رام راج در جواب او

بولا بھیجیا شاہ دانا، دبیر[5] ۔ بہ تحریر برنا بہ تقریر پیر
ہوا امر اشرف سو کاتب کے تیں ۔ نگہ راکھ اپنے مراتب کے تیں

۱۔ نسخۂ ثانی ویر کے بجائے بیر۔ ۲۔ نسخۂ ثانی میں جوے کے بجائے شاہ اور جل تھل کے بجائے 'جلیل' ملتا ہے۔ ۳۔ نسخۂ ثانی میں 'کرے' کے بجائے 'کیا'۔ ۴۔ نسخۂ ثانی میں ہے

ہزار آفریں میں کیا پیر پر۔ کیا شیر کوں تین خنزیر پر۔

۵۔ نسخۂ ثانی پہلا مصرع یوں ہے 'بولا بھیجیا شہ نے دانا دبیر'۔

نہ خاقاں، نہ قیصر، نہ فغفور توں ۴ ولے مہرا نور تے مشہور توں

بگر دن ز دن کھڑگ کوں تیز کر ۴ کمیتِ قلم کوں جلو ریز کر

سمند قلم جب رَوا رَو ہوا ۴ سو پیک ظفر تب دوا دَو ہوا

۳۱۵

مسلسل کیا زلف سوں حور کوں[۱] معنبر کیا روئے کافور کوں

مرتب ہوا نامۂ نامدار مُرَہَّنْ[۲] ہوا پیک عالی تبار

بہر سطر میں لفظ زیبا فریب[۳] بہرِ لفظ معنی شکیبا شکیب

دبیرا جو طغرائے شاہی لکھیا[۴] سرِ نامہ نام الٰہی لکھیا

ہزار ایک ہے[۵] ناؤں جس ذات کوں سو ہر یک ہے کیلی مہمات کوں

۳۲۰

کبیر و حفیظ و مقیب و حبیب ۴ جلیل و جمیل و وکیل و رقیب

عزیز و کریم و سمیع و بصیر حکیم و رحیم و لطیف و خبیر[۶]

علیم و عظیم و علی و غفور ۴ مقدم موخر ولی و شکور

حمید و مجید و شہید و احَد ۴ ودود و معید و رشید و صمد

---

[۱] نسخۂ ثانی میں یہ مصرع یوں ہے۔ 'مسلسل کیا طرۂ حور کوں'۔ [۲] نسخۂ ثانی میں 'مُرہن' کے بجائے 'مرصع' لکھا ہے۔

[۳] نسخۂ ثانی میں پہلا مصرع یوں ہے 'بہر سطر نقطہ فریبا فریب'۔ [۴] نسخۂ ثانی میں یہ مصرع یوں ہے ؎

دبیر ظفر سوں سو شاہی لکھیا۔ [۵] نسخۂ ثانی میں 'ہزار ایک ہے' کے بجائے 'ہزار ہور یک'

[۶] عزیز و کریم کے بجائے 'معرّف دلیل' اور دوسرے مصرعہ میں رحیم کے بجائے حلیم۔

قوی و متین و بدیع و کریم ۳۲۵ سلام و عزیز و صبور و حلیم[1]

مجے عرش و کرسی و رفرف کی سوں   مجے روز محشر و صف صف کی سوں

مجے حوض کوثر و زمزم کی سوں ۴ مجے حرف مہمل و مجمل کی سوں

مجے مطلب غوثِ اعظم کی سوں   مجے مقصدِ قطب عالم کی سوں[2]

مجے نور وادی ایمن کی سوں   مجے زور بازوئے بہمن کی سوں

مجے مذہبِ لایزالی کی سوں ۳۳۰ مجے مشرب لا ابالی کی سوں

مجے رائے روشن ضمیراں کی سوں   مجے خاک درگاہِ پیراں کی سوں

مجے قطبیِ شاہ مرداں کی سوں   مجے خالق چرخ گرداں کی سوں

سو حنّان و منّان کی سوں مجے ۴ سو دیّان و برہان کی سوں مجے

سو توریت و انجیل کی سوں مجے   زبور ہور[3] فرقان کی سوں مجے

زہے نسل برہان کی سوں مجے ۳۳۵ یقیں جان سبحان کی سوں مجے[4]

نہ او برے ہے کچھ مجھ منے روریا ۴ برابر مجے خاک ہور بوریا

---

[1] پہلے مصرعہ میں 'قوی' کے بجائے 'قدیم' اور دوسرا مصرع 'عزیز و صبور و سلام و رحیم' ہے۔

[2] ۔ دوسرا مصرعہ یوں ہے 'مجے نور اس چار یاراں کی سوں۔'

[3] نسخۂ ثانی میں "زبور ہور" کے بجائے 'سوز تور'

[4] ۔ یہ شعر یوں ملتا ہے ؎ زہے زاد برہان کی سوں مجے ۔ زہے پاک سبحان کی سوں مجے۔

تجُھے کبر ہور کبریائی بجے ۴ تجُھے دُود ہور روشنائی بجے
کرے گرب ہاتی جو اپنے منے مرے ہنگہ کوں دیکھ سپنے منے
نہ پتیا وُ کچھ زورِ بازو کے تیں ۴ نگہ راکھ وزنِ ترازو کے تیں
ہنیس خوب بُدبل بڑا کھیلنا ۴ ترنگ گیند کے دھانوں میں میلنا

۳۴۰

دھرے سیس پر بات بھرجے دوہی نسنگ کیوں چلے وہ دیوانے کدھی[1]
نہ کر کچھ بھروسا کہ آپار مال گھنا مال جس تِس گھنا گوشمال[2]
یتی جال نا جال فانوس کوں نگہ راکہ توں اپنے ناموس کوں
لوہا زرگنی ہور سُنا نارگن سُنانار عاجز اہے سارگن
دیا نے دے نیکو شمائل بجے کیا اسم اعظم حمایل بجے

۳۴۵

سو مشعل جلاؤں[3] سراندیپ پر اجالا کروں[3] سب سنگل دیپ پر
دسا سیر کا سیر چابوں کچا کہ سیمرغ مجہ کن کبوتر بچا
دیا لیکھ فرمان، حاجب چلیا جو سُن رام راجا دہیں تلملیا

---

[1] یہ شعریوں ہے ــ دھرے سیس اُپر ماٹ بھرجی دودی ۔ نسنگ کیوں چلے ادد یوانے کو دی
[2] یہ شعریوں ہے ــ نکر کچھ بھروسا سو در باز مال ۔ گھنا مال جس پاس گھنا گوشمال
[3] جلاؤں کے بجائے 'لگاؤں' اور 'کروں' کے بجائے 'پڑے'۔

قاصد فرستادن رام راج بارِ دیگر بعد از شنیدن نامہ نظام شاہ

سو فرمان سُن گم رہیا رام راج ملیا سخت بیری بجے ترک آج

کھیا رام لے قاصدِ تیز گام[1] ۳۵۰ نظامیا تے آنیا توں مجہ کَن پیام[1]

ایتا بیگ جا اے ہری واس توں نظامیاں سوں یوں ترک (کر) بھاس سوں

نہ کِن تو لیا مجہ اتولے کے تیں نہ دے گانٹھ رکٹے پتولے کے تیں[2]

نہ کِن لیکھیا بھرت کوں سنگ یوں[3] جو مجہ لیکھیا رائے نرسنگ یوں

بٹھاؤں کُنک ان گنت تولسے کریں جال کنٹھ پھاڑ کر کو لسے

اگر[4] شاہِ ترکاں منے اصل ہے ۳۵۵ سلاطینِ بیٹیں کیرا نسل ہے

اوسے تاج ہور تخت ہے بہمنی کماں رستمی زرہ روئیں تنی[5]

اہے دل قوی ہور بازو قوی ؎ علَم ہور قلَم عین کیخسروی

نظام الملوک وو جو بڑا کا اتھا ؎ برہان الملوک اوس کوں لڑکا اتھا

---

[1] نسخۂ ثانی میں پہلا مصرعہ یوں ہے "کیا رام قاصد کنے تیز گام"۔ دوسرا مصرعہ کرم خوردہ ہے۔

[2] شروع کے الفاظ دونوں نسخوں میں مشترک ہیں باقی نسخۂ ثانی میں کرم خوردہ ہے۔

[3] نسخۂ ثانی میں پہلا مصرعہ یوں ہے "یو کن لیکھیا بھرت تے سنگ کوں"۔ دوسرا مصرعہ کرم خوردہ۔

[4] اگر کے بجائے ولے۔ [5] دوسرا مصرعہ یوں ہے "شجاعت میں رستم زرہ روئے تنی"۔

سو بڑکے کے لڑکے کا لڑکا ہے یو ۔ مہارائے ترکان کا لڑکا ہے یو

دیکھیا جگ میں تورا کھیا بھل سلوک[1] ۳۶۰ کہاوے ایس کوں نظام الملوک

نہ سمجھے اُتم ذات کم ذات کوں ۔ کرے ترک ارجات[2] پرجات کوں

کیتے رائے رایاں کوں بندی کیا ۔ نہ کوئی ہار یوں بیسر دندی کیا[3]

نہ کن لوٹیا چور ہور ساؤ کوں ۔ جو اُن لوٹیا یوں رومی راؤ کوں

جتے نار ہور کار پر مل مندل ۔ لیا مار کر خوار کر بل کھندل

دیا مان کنچن اوپر مار کوں ۳۶۵ تفاوت کیا نور ہور نار کوں

پھلے باند نکلے جو نخچیر کوں ۔ نہ کنجر کوں چھوڑے نہ خنزیر کوں

نہ چیتیا اچت باکلانے منے ۔ نہ چیتل نچیت گونڈوانے منے

چتر بھوج راجا جو قنوج کا ۔ جنے گنج پایا اہے[4] بھوج کا

ڈٹایا ہے باہاں بلندر کے تیں ۔ ڈراتا ہے رائے اندر کے تیں[5]

بھجنگ جات یاجوج سے دیو کر ۳۷۰ کہلایا اوسی کے جیسے دیو کر

[1] پہلا مصرعہ یوں ہے: "دیکھیا جگ میں تورہ دکھیا اُن سلوک۔
[2] 'ارجات' کے بجائے 'ازذات' [3] دوسرا مصرعہ یوں ہے: "کتے راج بندیاں کوں وندی کیا۔
[4] نسخۂ ثانی میں 'اہے' کے بجائے 'اچھے'۔
[5] یہ شعر یوں ہے ۔ ڈرایا اہے یوں بلندر کے تیں ۔ ڈٹاتا اہے رائے اندر کے تیں۔

سو کہیا اوسے کے ..... بھیج مال[1] — مجے مال نوڑے تجے گو شمال

سنیا ہے و ویوں کر جگت سنگ کوں — بھگت بھیج دے پکہ بھگت سنگ کوں

چلایا ہے اوڑیا جگنّات کوں[2] — کمر باند جاکر ہمات کوں

کھڑا کانپتا دھاک تے بھارمل[3] — کہ اوپچیا[3] کہاں تے یو سونسارمل

۲۷۵ کیا گرم[4] بازارِ دیں پروراں — ہوا سرد کالائے رامشگراں

اگر شاہ بن شاہ بن شاہ ہے — وگر باپ خورشید ماں ماہ ہے

عمادیا اگر پیش اوپس[5] ہوا — اگر خاندیسی اوپر جَس ہوا

لیا گرچہ جویا و پرماتے آج — دیا گرچہ سب گونڈ وانہ خراج

بہادر سوں گرچیرہ[6] دستی کیا — ہمایوں سوں جیوں شیر مستی کیا

۲۸۰ فرنگیاں کو بھایا فرنگیاں منے — خبر گرم تر ہوی سوزنگیاں منے

مسخر کیا گرب تہی[7] مرز بوم — کیا[7] آفریں (گرچہ[7]) سلطان روم

---

[1] یہ مصرعہ یوں ہے: "کہلایا اُسے یوں منجے بھیج مال" [2] یہ مصرعہ یوں ہے "کھیا جا اُڑیا جگرنات کوں"۔

[3] مل کے بجائے چل۔ اوپچیا کے بجائے بنجا؟۔

[4] 'گرم' کے بجائے 'رام'۔ [5] 'پیش اوپس' کے بجائے 'پشواس'۔

[6] نسخۂ ثانی میں 'چیرہ' کے بجائے 'زور'۔

[7] پہلے مصرعہ میں 'گرب تہی' کے بجائے 'گرتی' اور دوسرے میں کیا کے بجائے 'کھیا'۔ "گرچہ" کی جگہ نسخۂ اول میں کرم خوردہ تھی، یہ الفاظ نسخۂ ثانی سے لئے گئے ہیں۔

سب ہی جگ ملیا رام انمیل ہے　　بلے موم آتش کنے تیل ہے[۱]

اگر شاہِ کاؤس یا کیقباد　　تو میں رام فرعون، شداد و عاد

اگر شاہ اِت، رند در بند ہے　　تو میں رام جانو کہ نا رند ہے

مجے یار نیں ہور تجے دوستاں　　مجے شاخ نیں ہور تجے بوستاں ۳۸۵

اگر مرتضی شاہ ذوالحال ہے　　خداوند شمشیر گوپال ہے

اگر نور وادیِ ایمن ہے شاہ　　دگر سور نورِ زبہمن ہے شاہ[۲]

کم اندیش ہے چار دہ سال کا　　پر دبال دھرتا دلے بال کا

سو[۳] میں رام دجال کوں[۳] اصل ہوں　　سو[۳] شداد بن عاد کی نسل ہوں

نہ میں رام، بل رام لکھمن ہوں میں　　جو یک من ہے بحری تو لکھ من ہوں میں ۳۹۰

یہی بول قاصد روانا کیا　　دو آشہ نزیک ماجرا سب کہیا

سوار شدن نظام شاہ برائے جنگ رام راج

سنیا یو خبر شاہ جیوں سر بسر　　غصے میں ہو کر تب و جیوں شیر نر

---

[۱] دوسرے مصرعہ میں "بلے" کے بجائے "کہ جیوں"

[۲] یہ شعر یوں ہے ؎ اگر نور وادی جو یمنی ہے شاہ۔ دگر سُور نوری جو یمنی ہے شاہ۔

[۳] 'سو' کے بجائے 'توں'۔ 'کوں' کے بجائے 'کی'۔ دوسرے مصرعہ میں 'سو' کے بجائے 'کہ'۔

دیا شاہ دہلیز اسمان کر　　　کیا رخ دو سیلاں سراندیپ پر[1]

زہے بارگاہِ رنگ آمیز ہے　　　کہ[2] قوس قزح جس فرآویز ہے

بگرد سراپردۂ شہریار　۳۹۵　علمہائے زریں ہزاراں ہزار

بزمرہ[3] مصفا شہ کامیاب　　　چو خورشید روشن بدریائے آب

شہنشاہ میداں بمردانگی　　　سرِ سرفرازاں بفرزانگی

گہردان دوٹنے[4] میں دریا اہے　　　بوقت تبسم ثریا اہے

علم شیر پیکر فرس شیر دل　　　در آمد بزیں شاہِ شمشیر دل

بہر شہر و کشور تے[5] غازی چلے　۴۰۰　چُغتے مغل ترک و تازی چلے

جہاں سوز لشکر پسِ[6] پشت او　　　کلید ظفر در ہر انگشت او

پس و پیش سیدے چلے تادلے　　　چپ و راست افغان رن بادلے

طبل ٹھوک کرنائے زریں[7] دماں　　　چلیا تند جیوں اژدہائے دماں

---

[1] نسخۂ ثانی میں دوسرا مصرعہ یوں ہے 'کیا رُخ سہ ذیل سیلان پر'۔ [2] نسخۂ ثانی 'کہ' کے بجائے 'سو'

[3] نسخۂ ثانی میں 'بزمرہ' کے بجائے 'بزورہ' ہے۔ [4] نسخۂ ثانی میں 'دوٹنے' کے بجائے 'دینے' ملتا ہے۔

[5] نسخۂ ثانی میں 'تے' کے بجائے 'تھیں'۔

[6] نسخۂ ثانی پہلے مصرعہ میں 'پس' کے بجائے 'شکن' اور دوسرا مصرعہ 'کلید ظفر ہا در انگشت او'۔

[7] نسخۂ ثانی 'زریں' کے بجائے 'اژدر' اور دوسرا مصرعہ 'چلیا تند ہو جیوں او شاہ جہاں'۔

کمر بند ترکش منڈا سا سو خول ۔ نہ دکھنی نہ رومی نہ سمجھے منغول

چلیا کوچ پر کوچ شاہِ دکن ۴۰۵ قبا چار آہن زرہ پیرہن

ہوا گرم تر مغز تب رائے کا سنیا جب یو آوازہ کرنائے کا[1]

مستعد شدہ آمدن رام راج برائے جنگ نظام شاہ

کھیا رام یاہاں بلندر کے تیں کنک باندلے جا الندر کے تیں[2]

کہ میں رام اچھتیں ترک زور کیا سمندر اچھے حوض کوں شور کیا

سبک رو چلا نال بھانڈے جیتے لیجا سات برکے وہانڈے جیتے[3]

دیا سات اوس گج جگ جینت کوں ۴۱۰ نگہ راکھنے میٹ پر میٹ کوں

کہیا رات دن جا تلاوے گرد نہ سنگ جا لڑو ہور ہلاوے گرد

دیا سات قاصد و جاسوس لے ادسی نال بھی چور و جاسوس لے

اپیں بھی چلیا کوچ کر ریس بھر سو یکنادبا جا ہوا سر بسر

ہلے دھرت گرور چلے پایدل گرج گھن گھٹا میگ ماتے منگل

---

[1] نسخۂ ثانی میں یہ شعر یوں ہے ۔ ہوا گرم تر مغز رائے کا۔ سنیا جب آواز کرنائے کا۔

[2] یہ شعر یوں ہے "کھیا رام غضب کر بلندر کے تیں۔ کنک باندکر جا و الندر کے تیں۔

[3]۔ دوسرا مصرعہ اس طرح ہے "سو لے سات مرکے وہانڈے جتے۔"

کرڑا ایک پایک ملیا کام کار ۔ چنور ڈھال ڈھولے ڈھلے نامدار[1] ۴۱۵

سو کایل کے رایل و مدری کیرے ۔ سو نایک و پایک جو کدری کیرے[2]

اٹل راؤ رانے سب آگو رُکے ۔ اٹل پار گوندے سو سنگ لور کے[3]

اٹل انک گینڈے بلا گیر کے ۔ چمن چیر کے ہور ملا گیر کے[4]

بھالے کا پر وئے ملے راج ونس[5] ۔ چھتریال باگل چلے راج ہنس

بولایا ادٹ تار پتری جیتے ۔ وڈیپار بیدڑ و کھتری جیتے ۴۲۰

سو مندل سے سنگل سگل دیپ کے ۔ سو باول سے منگل سنگل دیپ کے

چھوڑے کاڑ پایک ملے بھوکنی ۔ کتے کار چالا (ک) تل کو کنی[6]

نبر راج بنڈے جو ملنار کے ۔ جو دل بھار تولے سو تلنار کے

بجر انگ گینڈے سو رامیسری ۔ بھجنگ انگ بھینسے سو کالستری

جیتے پھل ہوں گوند کر کا رئیے ۔ جتنے سانگ والے سو تروار ئیے[7] ۴۲۵

---

[1] نسخۂ ثانی میں یہ شعر اس طرح ہے ۔ گرد دیس کے سب ملے کام گار ۔ چنور ڈھال پرچم چلے نام دار۔

[2] پہلا مصرعہ یوں ہے: "سو کدری کے رایل و مدری کیرے"۔ دوسرا مصرعہ کرم خوردہ ہے۔ [3] پہلے مصرعہ میں 'سب آگو رکے' کے بجائے 'سوبا گو رکے'۔ نسخۂ ثانی میں "سنگ لور کے" الفاظ ہیں اور یہ جگہ نسخۂ اول میں کرم خوردہ تھی۔ [4] یہ شعر یوں ہے اول انگ گینڈ سویل پیر کے + سویل پیر کے ہور ملے کھیر کے۔ [5] پہلا مصرعہ یوں ہے ' بھلے کار پر دئیں ملے راج ونس۔ دوسرا مصرعہ کرم خوردہ ہے۔ [6] نسخۂ ثانی میں یہ شعر یوں ہے۔ چھوڑے کار بے باک دل بھو کتے، کتے کار چالاک تل ٹوک تے۔ [7] یہ شعر یوں ہے ۔ جتے پھل ہور گوند کے کار کے + جتے سانگ والے جو تر وار کے ۔

بولایا بھلیں رائے تر دیس تے[1] اپس دیس تے ہور پردیس تے

سو منگل تمنگل سو جنگل کے جو برت بھاگ نگری ورنگل کے جو

سیورنؔ جو راوت ہے چنڈال ہیں ۴ جکتر گردتھے سو کوٹال میں

رکاین و داین وڈاکن جتے سورکسنؔ وبھکسن و بھکتنؔ جتے[2]

سو بیاوے وزیادے ملے بیشمار ۴۳۰ نہ کھاویں بجز مار یا سو سمار

کبھیں خون کھاویں کبھیں بکسرا جو مردارا جیں وو بھر دوسرا[3]

جو سولا کلا نر دھنور بید کے دھنور بید کے ہور ام بید کے[4]

بہر جنس مرات کرکے اتھے جکتر بھولا نیکے بھرؔ کے اتہے

جو یک ٹانک پھوکیں یکس دنڈآر نہ راوت رہے ایک بلوند آر

سو کمیت دؔہنوکںؔ انجر کے جو ۴۳۵ گرانبار تلوے سو منجر کے جو

کھلاویں کسے پانچ دن جو کلپ نہ سرہوئے اُجلا نہ دنداں الپ[5]

سو نوکھنڈ برہتم جسے ایک ٹھاؤںؔ[6] سوالاکے پربت جسے ایک دباؤںؔ[6]

---

[1] یہ مصرعہ یوں ہے "بلایا سو کئی رائے پردیس تے۔ [2] یہ شعر یوں ہے ۔ ڈکاین وڈاین دو نگھن جتے + سو راکس دبھو کس بھکتن جتے۔

[3] ۔ یہ مصرعہ یوں ہے "سو مردو دارائے بردو سرا" [4] یہ شعر یوں ہے ۔ سولاکھ نر ہور ہنر بھید کے ۔ ہنر بھید کے ہور ام بید کے۔

[5] ۔ نسخۂ ثانی میں یہ شعر یوں ہے۔ کھلاویں جسے پانچ دن کا کلب ۔ نہ سر ہوئے اُجلا نہ دندان لب ۔

[6] ۔ ٹھاؤںؔ کے بجائے "گاؤں" اور دباؤں کے بجائے "ٹھاؤں"۔

بہر شہر و کشور بیٹھیا نیوڑی　　منگایا سو جوگی جنگم سیوڑی

چھتیس کوڑ تو نند جس دیوتا　　چھپن بھاس[1] کا پُرس جس سیوتا

جنے بھید پایا ہے دس دار کا　۴۴۰　جنے پانچ اندراں میں دس دار کا

اکھوری و کھوڑی بسے کاپرتی[2]　　ڈگنبر سنیاسی ترڑے تاپڑی

جیتے بھار منتر کیئے ہوم[3] سب　　دیوالی و دَسرا کیئے شوم سب

ڈولے لوز رتن مانہ سرتا قدم　　سو کونکم و کیسر سو سر کھند کدم[4]

ہوا راکسی رانٔ مُلکِ ختن　　ہوا ناگری کوہِ کانِ یمن[5]

ترنگ پانچ لکھ پر سوا لکھ ہتی　　چلیا کوچ پر کوچ وینکٹا پتی[6]

چلیا نام بتیال کا یاد کر　۴۴۵　سو چو شصت جوگن کے تیں ساد کر

سو بہتر دئیے جان جوسی جیتے[7]　　سو جوسی جیتے ہور مجوسی جیتے

خبر گرم تر ہو بہر گوش میں　　کہ دریائے لنکھا ہوا جوش میں[8]

---

[1] 'بھاس' کے بجائے 'بھائی'　[2] پہلا مصرعہ یوں ہے۔ سو جنات کر لبسنی کا پری۔

[3] 'دھوم' کے بجائے 'جھوم'　[4] یہ مصرعہ یوں ہے "سو کم کم و کیسر سرک ند کدم"۔

[5] پہلے مصرعہ میں "راکسی رانٔ" کے بجائے "راکسِ رامٔ" اور دوسرا مصرعہ یوں ہے "ہوا ناگڑی کوہ کانِ چمن"

[6] "وینکٹا پتی" کے بجائے "بکتا پتی" لکھا ہے۔　[7] یہ مصرعہ یوں ہے "سو بہتر دتے نجم جوسی جتے" اور دوسرے مصرعہ میں "سو" کے بجائے "کہ"۔　[8] یہ شعر یوں ہے ۔ خبر گرم تر ہوئی ہر یک گوش میں۔ کہ طوفان آتش ہوا جوش میں۔

فتح یافتن نظام بر لشکر رام راج و سر اورا بریدہ پیش تفال خاں فرستادن

'سو سلطان جہانگیر جمشید شاہ' 'کمر بند ترکش مکلل قباہ'
'سو بسم اللہ کر شاہ دُلدل سوار' ۴۵۰ 'لیتی ہات برہان تیغ آبدار'
'چلی فوج دارائے دریا شکوہ' 'رواں کرت آہن بہ لشکر شکوہ'
'چلی فوج پر فوج دریا کی موج' '..... بادل کی موج'
'سو ثابت قدم سات اوسان میں' '........ کے میدان میں'
'سورن کھاب دے شہ ہوبے اختیار' 'کھڑے کھیت مرنا سو کیتے قرار'
'جیارات امروز لشکر کشاں' ۴۵۵ 'رجے بھار ثابت کھڑے سرکشاں'
'سو سوندل کیرا ساز ساماں ہوا' 'نفیریاں تراتے دماماں ہوا'
'سو برغم و بھیران و کرنائی کے' 'سورن سنگ پاوے و ہرنائی کے'
'جتے بھانت باجے سو سنسار میں' 'وتے بھانت باجے بجیں بھار میں'
'دمامیں دمامیں اُپر در بڑا' 'جتے راج بندی کئے گرا بڑا'
'نخارے دمامیں و باجیں طبل' ۴۶۰ 'چلے جوش آکر سو دریا اُبل'
'سلحدار سردار جیتے وزیز' 'سلح پوش راوت و برناؤ پیر'

پس و پیش چپ راست شہ کے چلے ، طبل ٹھوک سنمکھ رُخ دھر چلے

چلی فوج جوں موج دریا ابل ، سو سوندل جو بادل گرجتا نکل

سو جیوں ابر دو دھرتے فوجاں چلیاں ، جھمکنے لگے سلح جیوں بنجلیاں

کلب جو کلنگاں کے وہ دیکھ عین ، ۴۶۵ چلیا فوج رُخ باندھ جری حسین

چلیا دل کھندل جیوں گرج گھن جیتا ، دندے بھول اوسان گئے لٹ پٹا

طبل ٹھوک .... شمشیراں اُٹھے ، تُرخ جا .... بانکے سو سینے پھوٹے

دو دل جو دھرت میں سو درہم ہوئے ، جتے رائے رایل سو برہم ہوئے

کھڑک کوں کھڑک لگ سو چنگیاں جھڑیاں ، وہ چنگیاں کیریاں بنجلیاں ہو چڑیاں [1]

جب آکاس پر چڑ دھرت پر پڑیاں ، ۴۷۰ تو دشمن کیاں فوجاں جیتاں گر پڑیاں [2]

سنگل مست ہاتی سوں ہاتی بھڑے ، سنتا سو گج دنت نکل جھڑ پڑے

سنگل جیوں ارابے کوں دنتی بتی ، ایا رن سو یکدم سوا سو ہتی

فرنگیاں زنبوریاں کے گولے چھوٹے ، سو چوندھرتے باناں شرا شرا دھٹے [3]

---

[1] نسخۂ ثانی میں جڑ ہے اور دوسرا مصرعہ یوں ہے ۔ جھمکتیاں سو جوں بجلیاں ہو پڑیاں ۔

[2] نسخۂ ثانی میں ۔ جو آکاس ٹٹ کر دھرت پر پڑیاں ۔ سو دشمن کا لشکر جتا گر پڑیا ۔

[3] نسخۂ ثانی میں ۔ فرنگیاں دنالاکے گولے چھٹے ۔ ارابے کے چوگرد باناں اٹھے ۔

سو یکبارگا بھار سارا اتھا	دھرت ہور گگن میں ڈھولارا اتھا
نہ اسمان دستا نہ دستی زمیں ۴۷۵	زمیں بھار سیتی کماں ہو خمی
دھواں گرد میں مل کے گردوں ہوا[1]	اسد خاں جو جگ میں دہانسوں ہوا
نہ دیکھیں ایکس آنکھ کوں کھول کر	نہ کوئی کس پچھانے بچن بول کر
نکل گئے سواو سان بے سُدھ ہوئے	کتے پھٹ کلیجے سو دھاکوں موئے
.... سو سینے پھوٹے	ہوئی بے سُدی ہور..... سٹے
کیتاں کوں سوہت سوں ہتیاراں جھڑے ۴۸۰	.... نکل جھڑ پڑے
دیکھے رائے رایل سو جب یو ہجوم	.... کھلبلائے نجوم
جدھر کا ادھر غل اُٹھیا بے قیاس	.........پاتال نراس
بہی باؤ جیوں قہر کے شور سات	اُٹھی اگ بہنہر جا بڑے زور سات
جھلک دیک بجلیاں کی تروار کی	پراناں اڑی دھرتی سنسار کی
اُٹھا شور ہر طرف سوں مار مار ۴۸۵	ہوئے گھابرے ملک پیادے سوار
سپاہاں جو اس شاہ کے پائے بل	سو مردود گئے دل ستی سب کھوند ل
جدھر کے اودھر مُنڈ سے کاٹ کر	گیں رند گیں مُنڈ بارہ باٹ کر

[1] نسخۂ ثانی میں ہے اسد خانِ اژدہ سو دھایوں ہوا۔ دھواں گرد میں مل کے گردوں ہوا۔

بُہوت رائے رایل سو کاٹے سوار، سُو بایدل کیرا واں نہ تھا کچ شمار،

سُو چوندھیر تھیں شور ایسا اُٹھا، تُرنج جا دھرت کا سو سینا پھوٹا،

سُوآفت کیری باؤ ایسی اوڑی، ۴۹۰ ہریک نال گولی اتھی بو مبڑی،

چلیا بھار گج بھار بے بھار مل، کئے تیر باراں سو سونسار مل[1]

سپاہی جو جل بل ہوئے کول سے، اوپر تیر بیٹھے دسے تول سے[2]

پُنچھل راج بنڈے سو کاٹے گئے، نُلاجی جیتے تھے سو نٹھے گئے،[3]

ہوئے ترک اُپرال ہور رائے تل، کیا گرد پر تھم ترنگ پائے تل

سو چوندھرتے بھالے گریں رن بن، ۴۹۵ مُرتا ہوئے سب سپایاں کے تن

ہتی دھاک تے سب ہوئے لومڑی، ہریک نال لاکھوں اوٹھے لومڑی

کئے ایک رنجکے عرابی بتی، جواناں ہوئے گھال گھوڑے ستی

درخت مغیلاں ہوا بھار مل، پڑیا بھار مل جیوں موا سار سل

بھُمیں رن منے رام جیو دیو زاد، پُوچھے ہر کسی کو کہاں کیقباد

لیا ہات اینٹھا ابیں جے کیا، ۵۰۰ ہندو رائے رایاں منے گیا

---

[1] نسخۂ ثانی میں دوسرا مصرعہ یوں ہے ؎ ہوا تیر باراں ہو سینسار مل۔ [2] نسخۂ ثانی میں ؎ سپاہی ہوا جل بل کے جو کول سے۔ اُپر تیر بیٹھے دِسے تول سے [3] نسخۂ ثانی میں ؎ پنچھل راج بنڈے سو کاٹے گئے۔ نلاجی جتے تھے سو نٹھے گئے۔

مدد جیوں فتح آسمانی جو پائے پکڑ رام کوں شاہ نزدیک لیائے

نظر شاہ کی اُس اُپر جوں پڑی کیا قتل کا حکم سو اس گھڑی

گرجتی عدالت کیا دین سوں کھولیا دیں سو اس گہر دین سوں

خدایا بہ برکت نبی ہور ولی بسر گنج یو شاہِ مرداں علی

دی توفیق ظفر مج گھڑی سات میں ۵۰۵ ظفر کی کلی منج دیا ہات میں

سو ظالم کی منڈی سودیں کاٹ کر سٹیا دیں سو تس کوں باراباٹ کر

کہ یارب دی منج اس صبر کا جزا جو بے دین کوں میں جو دیتا سزا

آیا ہاتفِ غیب تے یو جواب عبادت قبولیا دعا مستجاب

کہ بنیاد یو دین اسلام کی تیری کھڑک میں تھی مرگ رام کی

خلل تھا کفر کا[1] دیا جس خدا ۵۱۰ کیا رام کا سیس تن تے جدا

سٹیا آن کر سر منگل پائے تل کیا فوج کوں سب گڑرن[2] گھندل

ستم پاڑیا گائے کو باگ جیوں جگر جانپ بیٹھا اوتم ناگ جیوں[3]

---

[1] نسخۂ ثانی میں 'کا' کے بجائے 'تے'۔

[2] نسخۂ ثانی میں سٹیا کاٹ کر سیس منگل پائے تل + بجایا اگن کوں بدل پائے تل۔

[3] نسخۂ ثانی میں ستم ماریا گائے کوں باگ جیوں + کر جو جان بیٹھا اُتم ناگ جیوں۔

چھوٹیا شیر زنجیرِ آہن کی توڑ — سٹیا خوک جنگل کی گردن مروڑ

کہیں راجنڈی کہیں کاو لے — ایرماں کلملے پد کہ تاو لے

مہا پنڈتاں کے کہ کوتر کچم — نہ پورپ نہ دکھشن نہ اُتر نہ پچھم ۵۱۵

بچنگالِ بحری جناور [۱] جتے — سو سنپڑے کمندمیں جتے سب وتے

اوڑیں گر فلک پر کسے پر نہیں [۲] — چھپیں جا زمیں میں تو کیں در نہیں

گگن پاٹ اونچہ ہور دھرت پاٹ بیچ — گیا کوک پیسا دو ہوں پاٹ بیچ

بھوت دیو ہور لنگہ سب پھوڑیا — کیتے جنگماں کی کمر توڑیا

ہوئی تنگ بھدرا رکت ریزتھیں — او چا ڈالیا سب کفر بر تھمیں ۵۲۰

ہوا قتل کفّار اکثر تمام — بدین محمدؐ علیہ السلام

بند یک مسجد کہیا بانگ دیو — اچنگا ہوا جو موا چانگ دیو

وضو ساز کر شاہ کیتا نماز — دھرت چوم بولیا کہ اے بے نیاز

ہمیں ہیں زبوں تر توں ہے کار ساز — ہمیں بندے عاجز تو عاجز نواز

تو معبود منگتیاں کا موجود ہے — توں حاصل کرنہار مقصود ہے ۵۲۵

---

[۱] نسخۂ ثانی میں پہلا مصرعہ 'بہر چنگال بحری جناور جتے - دوسرا مصرعہ کرم خوردہ

[۲] پہلا مصرعہ اڑے کیوں فلک پر کہ پچ ..... دوسرا مصرع کرم خوردہ۔

غنیمت پڑیا شہ کے ہت بیشمار ــــــ سُنے ہور روپے کے ہزاراں ڈھکاں

سو یا قوت و الماس ہور پاچ کے ــــــ کرے پوک سو پھوک جیوں کاچ کے

سقنقور کے کے چتل بیحساب ــــــ مخرق جلدٗ لاکے ہندوی کتاب

جو گنگے کنک تھے دھنور بید کے ــــــ دھنور بید کے ہور امر بید کے

کھنڈے یک کلنگ ہور کھنڈے کوں رتی ــــــ دیا بانٹ سگلیاں کے تیں جگ پتی ۵۳۰

دنیا کے جیتے رند و اوباش سب ــــــ کہیں شاہ کوں جگ کے شاباش سب

جے کچھ ان دیکھایا زہے کارزار ــــــ نہ بہمن دیکھایا نہ اسفندیار

زہے پائے ثابت زہے دل قرار ــــــ نظاماں ہوئے رستم روزگار

نظاماں ہوئے تُند اژدر ہے یو ــــــ کہ دسویں صدی کا سکندر ہے یو

نہ باندھیا کدھیں زرہ اُن پیٹ کوں ــــــ کیا ٹھوک کر نیٹ ہر دِہیٹ کوں ۵۳۵

کھڑک کھنچ دہو کیا ہے جس رائے پر ــــــ سٹیا سیس اوس کا ایس پائے پر

اوسے ننگ ہے خنجر بہمنی ــــــ اوسے ننگ ہے زرہ روئیں تنی

نہ اوس باک نگہ ہے نہ اوس چپکتی ــــــ دو دھڑ کر سٹیا یک کتے تل ہتی

پدر کا پدر سو لیسر کا پسر ــــــ بمردی و گردی برآوردہ سر

دیا بھیج دو سر تفالیا کے تیں ــــــ دو سر جرم جر کیں پکھالیا کے تیں ۵۴۰

تفال خاں

کہیا دیکھ یوسیس تجہ باپ کا ۔۔۔ توں بیٹا ہے جس باپ کے باپ کا
اتھا کوئی قاصد سو ابن العزیز ۔۔۔ زباں با ادب دست دیا بے تمیز
چلیا سرا دپر پر لگا سات تیر ۔۔۔ کماں پھیرتا پیش گردوں سریر
سوسر خاں گن میل .... سُرنگ؛ ۔۔۔ جو بحری نے اِس سال ماریا کُلنگ
اتھا سخت پھترا ہوا موم سا ۔۔۔ ۵۴۵ سگا سن منے پر چلیا کوم سا
دیا بخش مال ہور ملک بیشمار ۔۔۔ سُنا ہور روپے ہزاراں ہزار
ظفر یو ہوا دیں کی بیسیر دی ۔۔۔ ہوا دینِ اسلام روشن قوی
کرم کا کرم شکر سوں یاد کر ۔۔۔ چلے شہ 'نگر بیج' دل شاد کر
کہے شاہ نے یو عجب شہر ہے ۔۔۔ سنگدیپ یا مادرِ نہر ہے
کہ جس کوں کتے شہر بجیانگر ۔۔۔ ۵۵۰ جہاں تاں ہے گلزار سارا نگر
گھرے گھر سو گلزار سب باغ ہوا ۔۔۔ پھولے پھول بن دیں منگام ہی ہوا؛
دسے صد ارم باغ گلزار کا ۔۔۔ گوکل ہے مگر کِشن اوتار کا
چمن در چمن خوش بھیانیر سب ۔۔۔ رنگا میز[1] لاجورد مند ھیر سب
نگوں بخت اگرچہ بڑا شہر ہے ۔۔۔ کہ نازل بلا جس پہ یو قہر ہے

---

[1] رنگ آمیز

دیا شاہ فرمان لوٹنے دام کوں ۵۵۵ کیا حکم سب خاص ہور عام کوں

سو غارت تلف شہر ویراں کیا کہ جنگماں کوں سب مار حیراں کیا

مسخر پو جاری جنگم ہور ہے بسر دیو پوجا سو کلمہ کہے

کیا خلق زیور منے یوں غریق دلے خسروانی اتھے جس طریق

کیا باروش سب کی تعظیم شاہ کیا کر نجا دھات تکریم شاہ

ظفر کا سو کر شکر اس دھات سوں ۵۶۰ کیا سب خاطر مٹھی بات سوں

کیا سر فراز خاص ہور عام سب کہ کرتے دعا صبح ہور شام سب

دلاور بسر جو دلیری کیا تلنگ کا رسب ملک گیری کیا

کر نجا خوش آنند ہور کاج سوں برخوردار اپنے تخت ہور تاج سوں

سو دھم دھم دمامے لگے باجنے سو باجے فتح کے لگے باجنے

فلک کے ملک سب خوشی سوں نکل ۵۶۵ بجاتے فتح کے عرش پر طبل

سو کلمے کی عصمت ستی کال سب سو چوکے درونی ستی مال سب

ڈھلے دین کے زور دیول قدیم گریزاں ہوئے دیو کہنے عظیم

جتے تھے طلسمات اس پر مقیم تھے موکل جیتے دیو جناں قدیم

سو ہیبت زدہ ہو نکل خاک تیں گھوسے جا کے پاتال منے دھاک تیں

خزینا دفینا اُبلنے لگیا ۵۷۰ زمیں تہیں نکل گنج آنے لگیا
رکھے مال تھے کھود کر درزمیں بہنگام یو کام آگا[1] کدھیں
نہ کام آوے یو مال کس کوں بخیل ہوا نرک میں غرق دب جا بخیل
یو قارون کا مال یا مال ہے لیتا ہے خدا جس دلاتا اہے
ہوئی مال دھن سوں خلق بہرہ ور خوشی خرمی ذوق کرتی انند
کھلاتا جدا جس کھلاتا اہے ۵۷۵ لیتا ہے خدا جس دلاتا اہے
جواہر صندوقاں ہزاراں ہزار سُونے ہور رُپے کا نہ تھا کچھ شمار
کیتے دیس تس ٹھار کیتے مقام تونگر کیا خلق سارا تمام
خوشیاں میتربانیاں کرتے سو کاج نہ سپنے میں دیکھا کدھیں رام راج
بروز ہمایوں سَعَد وقت پر بیٹھے آ مظفر گھڑی تخت پر
بُلائے اکابر جیتے نام دار ۵۸۰ سلحدار، سردار، سب کامگار
دلاور جیتے رن میں بادل اتھے سو شمشیر زن میں اوتادل اتھے
جتے مرد او شیر شمشیر زن ھوے سب یوں حاضر دریں انجمن
جو جل تھل منے سب خوشی دیو پری کریں سب خوشی مل زحل مشتری

---

[1] آگا یعنی آئے گا۔

نہ ایسا ظفر کیں یو شاہی ہوا   یو شہہ کوں فتح آسمانی ہوا

ہوئی دینداراں کو شادی تمام   ۵۸۵ بہ برکت محمد علیہ السلام

تڑا بہوت خانے و دیول قدیم   بندھے مسجداں پر منارے عظیم

موذن بلند بانگ دینے لگیا   زمیں تہیں نکل گنج آنے لگیا[1]

دکھن کے شہاں میں و شمشیر زن   ہوا ناؤں چوں بحری[2] کُفَّر شکن

ہو جم جم سُکی جگ تج راج تیں   سوا لک برس راج کر آج تیں

ظفر نامہ یو شاہ عالم پناہ   ۵۹۰ دلاور جہانگیر انجم سپاہ

خطاب جس کوں حُسَین بحری نظام   سگل پادشاہاں منے یو امام

اتھا مستقیم عدل کے کاج میں   گلستان ہوا ملک تس راج میں

جگت میں کیا ناؤں شاہِ طبر   دلیراں اُگل تجہ ہو کر اے زبر؟

ہے محتاج عالم ترے دان کا   تجے تخت شاہی سلیمان کا

عدل اور انصاف کا میر توں   ۵۹۵ سگل پادشاہاں میں جہانگیر توں

جہانگیر سلطاں جہاں بخش ہے   یو عالم پہ تیرا بڑا نقش ہے

مجالس جو شہ کی جو نوروز ہے   ہمیشہ فتح تجہ پہ فیروز ہے

---

[1] شعر نمبر ۵ کا دوسرا مصرعہ بھی یہی ہے   [2] بحری۔ حسین نظام شاہ بحری۔

شہ کامران و شہہ شادماں — شہے شہ دلاور ہے کشورستاں

جگت میانے لے اسم اپنا کیا — کہ یوں ناؤں جیتا ابدلگ رہیا

شہ شاہ گردوں شہہ صف شکن — شہے شیر مردے و شمشیر زن ۶۰۰

توآں صاحبِ سُفۂ ہور قلم — سبھوں میں بلند ناؤں تیرا علم

شہ شاہ کمتر شہ شہ جواں — شہ شہ دلاور شجاعت نشاں

کہ جم جاہ سلطان آفاق گیر — سُلکھن نول شاہ گردوں سریر

شہے نیک طالع شہے نیک بخت — خداوندِ تاج و خداوندِ تخت

توہیں شاہ سلطان فیروز جنگ — کہ تھر کانپتے جس تھیں دریا نہنگ ۶۰۵

شہے نامدار و شہے کامگار — شہے سرفراز و شہے تاج دار

شہے شاہ مرداں شہے شاہِ دیں — کہ دھرتا صِدق پاک ثابت یقین

شہانی تیری نوجوانی اچھو — تجُے نوجوانی شہانی اچھو

عطا ہے تجے شاہ سبحان توں — کیا ناؤں عدالت سو ہردان توں

مبارک تجے (تخت) ہور تاج اچھو — کہ جب لگ دنیا میں تیرا راج اچھو ۶۱۰

تیرے نور کا شور قائم اچھو — جھمکتا تیرا حسن دائم اچھو

کہ جم جم تجے شادمانی اچھو — مُبارک تخت آرزانی اچھو

پشیانی سعادت پیشانی اچھو جبیں پر سعادت نشانی اچھو
سدا سیس پر تج چتر چھاوں اچھو کہ جتیا ابد لگ تیرا ناوں اچھو
کہ نو سو بہتّر تھے ہجرت کے سال ۶۱۵ دیا فتح اوسی روز ظفر ذُو الجلال
ہزار آفریں اس پہ رحمت ہزار قیامت تلک ناؤں رہیا یادگار
سدا جیو راجے جنم راج کر لبسے لگ ونیانت نوے کاج کر
مبارک ظفر آسمانی اچھو تجے فتح نصرت سبحانی اچھو
ختم کر توں شوقی دعا پر کلام دُرد بر محمدؐ علیہ السلام
سو شوقی نے لیا شوق بولیا تمام ۶۲۰ [1] بحق محمدؐ علیہ السلام

[1] شعر نمبر ۸۰ الف کو شمار کرنے سے جو نقل کرنے سے رہ گیا تھا، اشعار کی کل تعداد ۶۲۱ ہو جاتی ہے (ج۔ ج)

حسن شوقی

میزبانی نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُولؔ یاد کر پاک پروردگار · پچھیں شاد کر شاہ عالی تبار
نبی کا خلیفہ، خدا کا خلیل · بہ الہام و ہاتف نہ باجبرئیل
دم اندر جو عیسیٰ مریم تمام · تکلم میں موسیٰ علیہ السلام
شجاعت میں رستم تے کچھ کم نہیں · سخاوت میں ایسا جو حاتم نہیں
سرِ سرفرازانِ بندے نواز · سو گردن فرازاں میں گردن فراز ۵
سو سلطاں محمد، عدالت پناہ · کہیں خلق جس مکرمت دستگاہ
خداوند تعالیٰ کی دو چھانوں ہے · عرب ہور عجم میں جسے ناؤں ہے
کرے عیش و عشرت جواناں سنگات · ولے مشورت پیر دانا سنگات
بڑا گیان ونتا، رتن پارکھی · رتن پارکھی ہور بچن پارکھی
سو میٹھی شہریار کی بات ہے · نہ اوس بات کی دھات نابات ہے، ۱۰
اگر شہ سناوے مجھے بول کر · تو نابات کو میں سٹوں بول کر
چو من کیست بارے دریں بوستاں · کہیں جس کہ طوطی بہ ہندوستاں
سنیا میں کہ شہ گھر بڑا کاج ہے · کہ جس کاج کا خلق محتاج ہے۔

جہاندار نے میزبانی کریا اُسے نانوں میں شادمانی دھریا

صفادار صوفے ومنڈوے بلند چھجے شہ نشیں پادشاہاں پسند ۱۵

بشنگرف سرخ و بزرنیخ زرد بزرحل وزرنگار و بالا جورد

صفادار صوفے زنگارنگ ہوے نمودار جائے کہ ارژنگ ہوئے

تکٹ لال سوں کاخ ماڑیاں مرے سوزرباف سوں باغ باڑیاں مرے

تیا زیب وزینت ورونق ہوا جتیا کوشک ومندہر خورنق ہوا

مُشبک منے جام جم تابدار نہ مینائے مینوتے کم آبدار ۲۰

تجلّی کی منزل تنبّی ہوئی تنبّی مگر بیت ربّی ہوئی

انگن فرش سوں ... سب کیئے سِیڑیاں سنگ مرمر سوں دبدبے کئے

جیتے حوض خانے وتے لیشم کے پُھیارے سو عشاق کی چشم کے

کیتے آب یخ سوں لبالب بھرے کیتے غالیہ سوں شباشب بھرے

گلاباں کے جدول و زنگاں کے کنگ دہنور تیلیا کا سواوس پر ترنگ ۲۵

کدم کیچ سیوال بالا ہوا بتی عود کی سوھوالا ہوا

لگے موم باتیاں کنچن کے لگن کنچن کے لگن نورتن کے گگن

تیتا موم خرچیا ایس کاج کوں نہ کن راج خرچیا ایس راج کوں

نہ جانوں کیتے دھات کے گل کھلے ۳۰ نہ جانوں کیتے ذات کے پھول کھلے
گل ارغوانی و لالا نفیس سو دونا و مروا و بالا نفیس
سو جائی وجوئی وسوسن سوباس سو چنپا چنبیلی و سر پن سوباس
کیتے مہاں آوتارو ہوئے کیتے میزباں جاوتارو ہوئے
گنگا رنگ چاندی منے کے رلے ندی تند ہو کر دریا پر چلے
گگن مشک اذفر سوں نت نو کھنڈی سو گند زعفراں سو بیسا سو کھنڈی
خطا بور ختن میں سہریا مشک سب ۳۵ چکا ٹھے ہوئے ترک لب خشک سب
ہوا مشک کا ہند میں سب سکال پڑیا چین و ماچین میں سب دکال
محل سار ور سب ہوئے ساز وار تواسیاں بچھائے نگارا نگار
تواسیاں سو رنگ اصفہانی کتیاں سو کرمانی و گوشتانی کتیاں
سو نیلک سو اطلس سو طاسے سہرنگ سو دیبائے رومی و چینی و ورنگ
دھریا آن اورنگ شاہنشہی ۴۰ جسے مشتری دیکھ حیراں رہی
ملاخی صندل نال کانداں پلے ادپر مشک اذفر چھپا چھپ چھپے
بدل ہو سفرجم انگن چھانٹتے ملک کارداں ہو شکر بانٹتے
دیئے آن کرتان کر بارگاہ کہ جس بارگہ میں فلک کارگاہ

جسے بدر سا چاند ہور آفتاب ۔ جسے میخ سیمیں و زریں طناب
زہے بارگاہِ رنگ آمیز ہے ۔ ۴۵ کہ قوس قزح جس فراویز ہے
نہ کہہ بارگہ بلکہ اسمان ہے ۔ نہ کہہ بدر سابل چندر بھان ہے
بھر چوک بازار میں نوگزیاں ۔ کہیں نوگزیاں پر بیبا سوگزیاں
محافیاں سوں کٹ کر سنرے موے ۔ فراشاں جیتے دست پاچے ہوے
فراشاں سو جاوی و زنگی کیتے ۔ رسن تاب کیتے شلنگی کیتے
دریا وَردیاں کے جیتے موج موج ۔ ۵۰ سُناراں، لوہاراں مُتاراں کی فوج
مسلماں و ہندو جیتے راہتے ۔ جیتے راہتے سب وتے چاہتے
بھر کار اوپر میر و سرکار کے ۔ محل دار کیتے و سردار کے
سراسر سوں مہندیاں سنرسر مڑے ۔ ہوایاں کے جھاڑاستاراں کھڑے
نہ مہندیاں کہ یو باغ باڑیاں ہویاں ۔ سوالاکھ پربت سوں آڑیاں ہویاں

مجلس آراستن و بخشش کردن سلطان محمد مردماں را در میز بانی خود

بیٹھا تخت پر آ و جمشید سا ۔ ۵۵ زرافشاں کیا دست خورشید سا
سلح دار سردار جیتے وزیر ۔ نہ گھر میں رہیا کوئی برنا و پیر

جیتے سرفرازاں جو درگاہ کے جیتے محرماں خاص خرگاہ کے
سو سر بھویں دھرے شاہ عالم کے تیں رہے دیکھ کر ماہ عالم کے تیں
کیتے سیس کے پائے لشکر کشاں سو کر جوڑ ٹھارے رہے سرکشاں
زنگارنگ، ہوا خلق تشریف سات ۶۰ مشجر مطبق سراسر سنگات
قبایاں زرافشاں پنچھل زرملیاں پچھوڑیاں سو تکٹے سو زنگ ترلیاں
سُرنگ تافتے بافتے والیئے سو زرباف وسالو و پرکالیئے
سو نیلک سو اطلس سو طاسی نگر سو دیبائے رومی و چینی دو رنگ
گلستاں ہوے لوگ تشریف سوں کبیسر ہوئے شہ کی تعریف سوں
دیا ہست ہاتے یتی نامدار ۶۵ کمینہ انوں میں سو جیوں باگ مار
ہوا خرچ اوس کاج کوں بیشمار سنہرے روپیرے ہزاراں ہزار
جڑت ہور جواہر یتا کچھ دیا جو اوس دیکھتے خلق حیراں رہیا
سو یا قوت والماس ہور پاچ کے کرے پوک سو پوک جیوں کاچ کے
سو لولو و مرجان ہور بوشراق سو جیوں یشم و بلور و سنگِ سماق
کیتے لعل و نیلم و مرمر کیتے ۷۰ دیا بھی جواہر سو برتر کیتے
فرنگاں و کُردی و یا ترتبی جُنبّی الیمانی و مغربی

سو دیبائے رومی و چینی برند — سوتازی و ترکی ملوکاں پسند
عربی عراقی و ترکی ترنگ — سو بلخی بخاری و ختلی سرنگ
سو کنبجی و زہری و تازی ترُی — گھٹا پربتی کھیست کوں ترتری
کُمیتاں و خِنگاں و بوراں سرنگ — ۷۵ سمنداں وزردی و مشکی پلنگ
یمانی و شہری تھے اشہر کیتے — سو ابرش و ابلق و اشقر کیتے
قطاراں قطاراں شتر کابلی — طبیلے طبیلے خچر زابلی
کیتے باز بہری لگڑ بیسری — تُرمتیاں و شِکرے و سنگیسری
سو شہ بھنگیاں ہور بھنگراج کے — سو سبزرگ و پیلک و ہریاں لے
سو ھُد ھُد و لگ لگ مولے و مور — ۸۰ سو جاری کے بگلے و جنگلی چکور
سو کوئل کالی ہری کنٹھ سوَی — سو لوریاں ورانوئیں و کاکا تُوی
مرصع کیرے تاج ہور تخت کے — مشجر مطبق کیرے رخت کے
تنبورے جنتر بینیا سرمنڈل — کلمبک اگر تیلیا کا منڈل
سو کافور و عنبر و عود و عبیر — جو عاجز ہوئے عارضاں ہور دبیر
سو کپڑیاں سوں زرڑے کیا کاپڑے — ۸۵ مہاجن ہوئے سب ترے تاپڑے
تونگر ہوا خلق اِس کاج تے — سوا لکھ برس راج کر آج تے

تیا خرچ پاناں ہوا راج کاج — نہ سونے میں دیکھیا کدہیں رام راج
دیا خلق کوں دان ہور پان لے — دیا پان ہور دان ہور مان لے
نرم تیز ترپان جو ادنکیہر گیاں — نہ اونٹکیہر گیاں بلکہ چوندبیر گیاں
دیوا ہور سوَر دہن وچاندی کے پان — ۹۰ مُکھی ہور گنگیہر یہ سر سے کو مان
سُنے ہور رپے ہور جڑت گیاں پٹیاں — سو مچھلیاں ہیں بچلیاں گھڑ تگیاں پٹیاں
تکت گیاں پٹیاں ہور تکت کیا جوڑیاں — بحمداللہ بارے جوڑیاں پر جوڑیاں
جتے میر و میرزا خراسان کے — رہے دیکھ حیراں طبق پان کے
سُنہری روپیری سُپاریاں کوں دیکھ — جتے پان کھاتے سوں ساریاں کو دیکھ
کہے یوں سُنا ہور رُپا چابتے — ۹۵ سنا چابتے دانت کیوں تابتے
سورج چاند جھمکیں طبق سار کے — سو سر لوٹ رتڑے شفق سار کے
بساطاں بچھائے گرد ہا گروہ — و ساقی و ساقے گرو با گروہ
گلالاں منے بزم گلزار ہے — مے و نُقل کا گرم بازار ہے
نرم کاک بھگنے سو بن عقد و باب — نہالی کے فرزند و بالشت کے باپ
پرے تو کے گردیاں تہے گردے نرم — ۱۰۰ نرم تھے نرم پر گرم تھے گرم
کیتا کوئی کھاوے کیتا کوئی لے جائے — پچھر کوں ہتی ہور مکھی کوں شکائے

کئے شکر یک بار عالم تمام — محمد نبی پر درود و سلام

دربیان شہر گشت سوار شدن
سلطان محمد عادل شاہ

سدا دار پر تجہ منگل کرڈ کرڈیں — منگل کرکرڈیں چوں بدل کرڈ کرڈیں

ہتی مست پر پیلباں مست ہے — زبردست پر کیا زبردست ہے

سدا دار پر تجہ طبل باجتے — طبل باجتے ہور مندل گاجتے ۱۰۵

کہا راج کے کاج لگ یک ہوا — مجے کال تے آج لگ یک ہوا

بھوت دلیس تے شہ کے گھر کاج ہے — شہر گشت کی رات سو آج ہے

شہر گشت کا ساز و ساماں ہوا — نفیریاں تراٹے دماماں ہوا

نفیریاں و بھیراں و کرنائے کے — سو شہنائی پاوے و سرنائے کے

جیتے بھانت باجا ہے سو دار میں — وتے بھانت باجا بجے بھار میں ۱۱۰

دمامے دمامے اوپر دڑ پڑیا — جتیا مرغ و ماہی وتا گر پڑیا

طبل ڈہول جم جم کریں دھمدھاٹ — فرنگیاں وتالاں کیلر کرڈ کرڈات

پیا دیاں کے کٹکر سواراں کے تھاٹ — وزیراں کی دھم ہور سپاہاں کے لاٹ

سلحدار و سردار بیجیتے وزیر — پیادے چلے سات برنا و پیر

شہریار کسوت شہانی کیا ۱۱۵ دینا داس کے تیں دیوانی کیا
کمربند و سربند کا جھکجھکاٹ قبا لال چادر کیرا لکلکاٹ
جواہر منے کان جواہر ہوا کہ بل جان جاناں جواہر ہوا
سو ہاراں معطر حمائل سوں میل سو سہرا ثریا و طرّہ سُہیل
نسیم بہاری روا رو کرے دسا داس ہو کر دوا دو کرے
کنک تھال میں لو رتن آرتی ۱۲۰ او بھی ہو رہے شاہ پر وارتی
دسا بل گئے شاہ کے چاؤ پر دیتے بخت بوسا کنول پاو پر
مرصع لیا لخلخا شہریار منگا بھیج تازی ہوا شہ سوار
سو تازی ہے سرکوب شبدیز کا جسے غاشیہ یوسف پرویز کا
جسے نعل زر آہنی سُم اہے جسے دُم سو نصرت کوں پرچم اہے
زہے اسپ تازی سو عبدالبراق ۱۲۵ مبارک تجھے شاہ یو طمطراق
ہزار آفریں اوس لٹمبر اوپر سو ہریا چھتر میک ڈنبر اوپر
ہما جم ربیا تجہ چھتہ چھانوں تل سو جیوں چھانوں جم شمع کے پانوں تل
چھتہ دار شہ کا ہوا سر فراز علم دار بالا سے والا دراز
علم جگمگاتے دہنور دل منے کہ بجلیاں جھمکتیاں ہیں بادل منے

اوڑیں سبز ہور سرخ تکٹے رومال ۱۳۰ زر افشاں کیا خلق صاحب جمال

پھریں پاتراں جا بجا کھول کھول کریں ٹولیاں ڈومنیاں سوں کلول

ہڑکنیاں و کنچنیاں بہوت سازسوں بجاویں و گاویں بہوت ناز سوں

خوشی خرمی میں اوبلتیاں چلیاں اکھرتیاں پھرتیاں اوچھلتیاں چلیاں

سہیلیاں سہیلیاں سیں چہلتیاں وتیاں لٹکتیاں ٹھمکتیاں وڈولتیاں وتیاں

چڑا دا سو حوراں پہ نازیاں کیاں ۱۳۵ ہوایاں سوتاریاں سو بازی کیاں

ہوایاں نتھیاں و وا تھیاں ناگنیاں ہوا کے اوپر جا سینو لے جنیاں

چھڑیاں توٹ ہوایاں پچھندریاں ہوئیاں پچھندریاں نہیں کال اندریاں ہویاں

نلے وڑپڑاتے ثریا کے تیں ہوایاں ڈراتیاں ہیں دریا کے تیں

نلا کھینچ کر تیز آتش فشاں دبنواں جا گگن میں ہوا کہکشاں

چندر جوت ہنستی ہے چندر کے تیں ۱۴۰ دیکھائے جگا جوتِ اندر کے تیں

کھڑے پھوٹ پٹھاکاں نے بازی کیاں زمیں باٹ کے سب نمازی کیاں

سو مہتاب و گل ریز ہا بیشمار بلالاں کی فوجاں د دیوئیاں کی بھار

زمیں پر دیوے جگمگاتے یتے گگن سات کے سات تارے جیتے

ہوا ریز دیوٹیاں اوپر موکریل ھلالاں کوں سب راج پورے کا تیل

جگت سب ھلالاں سوں روشن ہوا ۱۴۵ نگر سب نہالاں سو گلشن ہوا
ہلالاں منے شاہ یوں زر ملا سو جوں چاند تارے میں سور آگلا
دیوے کوئی کہیں کوئی چندر کہیں جو دیکھیں سو اللہ اکبر کہیں
دیگر بارگی شاہ گیتی پناہ قبا پین چینی و رومی کلاہ
ہوا جلوہ گر بُرج دولت منے جواہر بھریا درج دولت منے
ایس آپ دیٹھا سجن جل منبھار ۱۵۰ ترنج معنبر سٹیا جل منبھار
مبارک ہوا شہنشہ کو ردی نوا چاند نوروز ماہِ نوی

دربیان مہمانی کردن سلطان محمد عادل شاہ را و دادن جہیز دختر نواب مظفر خاں

بیٹھا سور جب نور کا تاج کر بیٹھی رات کوہ قاف میں لاج کر
سلیماں کوں آصف نے مہماں کیا عجائب غرائب بہوت کچہ دیا
دیا چاند کوں سور کے سات کر دیا نور کوں نور کے سات کر
عقیق یمانی کیرے مرطباں ۱۵۵ سو لعل بدخشاں کیرے کیفداں
نباتات میں ہور جمادات میں دیا خوب تر جو اتھا ذات میں
خطائی غلامانِ حلقہ بگوش سو چینی کنیزانِ زربفت پوش

مے ارغوانی نے ہٹ تٹ کرے ۔۔۔ شرابا طہورا سوں کھٹ پٹ کرے
انگوری و تمری و ہوزی شراب ۔۔۔ بہ سیرت چو آتش بصورت گلاب
منور کئے انجمن کوں تمام ۔۔۔ زبرجد کے شیشے زمرد کے جام ۱۶۰
لبالب پیالے دمادم سو جام ۔۔۔ پیالے سو دوراں رواں والسلام
عدالت بڑی ہے شہریار کی ۔۔۔ ادب دار مجلس ادبدار کی
یکس ایک کوں کوئی کھینچائے نہیں ۔۔۔ یکس ایک کوں کوئی بھیجائے نہیں
مرصع ہوئے کیف چوں ارگجا ۔۔۔ رحیقے میاں جاودانی یں جا
سو چندر کنواری وکاکا پری ۔۔۔ سو تندی و تیزی یں ناتا تری ۱۶۵
یتارنگ ہور راگ کرلا ہوا ۔۔۔ ولے مست و غلطاں سوں ورلا ہوا
بھنگے بھاٹ نٹوے کہ کنچن ملے ۔۔۔ سولو کھنڈر کے سب کنیچن ملے
کماچی و دھاڑی عطائی کیتے ۔۔۔ مغنی سو چینی خطائی کیتے
الاپیا گلاتان کرتان خاں ۔۔۔ رنگیلا سگھڑ تھا خوش آواز خاں
رےجھاوے چتر خان ہور ساز خاں ۔۔۔ پہ جرایا ہے اوس میں سو سُر گیان خاں ۱۷۰
خسترکار جھنکار میں چت کیا ۔۔۔ جیتے تار اوتار کے رت کیا
سنگل دیپ کیان پدمنیاں بیشمار ۔۔۔ سیہ نیشکر قد و جوبن انار

کمر تار گر دور زر تار ہے	کہ زر تار تس نار پر بھا ہے
سو سر لوک تر لوک کی باجتیاں	نہ طاؤس ناچے سو یوں ناچتیاں
پری پیکراں جو ناٹکسال کیاں	ناٹکسال کیاں ہور ٹھیکسال کیاں
بدن مال کیاں مور بھونگ بال کیاں	۱۷۵ کنور کال کیاں ہور بھنور چال کیاں
نرم جام کیاں ہور کٹھن ماس کیاں	سلونیاں سلکھن سُگند باس کیاں
دہن تنگ نرم انگ باریک تر	شب قدر تے بال تاریک تر
بھمبریاں بھمیں یوں نہ پھر کیاں پھریں	ہوا پر بد باد اپریاں سو کریں
الاپیں و ناچیں سو بیدنگ میں	۱۸۰ سو نادنگ بر ونگ بھیدنگ میں
ہوئی مست مجلس خوش آواز سوں	دیوانے کیاں پاتراں ناز سوں
سُرنگ ناچ ناچیں چتر پاتراں	طربناک مجلس و رامش گراں
و لمنیاں ملیاں ڈومنیاں لولیاں	شکر شہد و شیریں سے میٹھ بولیاں
سو زربفت مصری و شامی لباس	مکلل زراین منے بے قیاس
یکس ایک تے ایک نرماں اہیں	۱۸۵ سو کرتار کیاں مور ہرنیاں اہیں
ہمہ نازنیناں و شکر لباں	تھڈی سیب و نارنج بہ غبغباں
سو پُر پیچ زلفاں سرنگ گال پر	کنڈل گھال ناگاں بیٹھے مال پر

بدھے بال کالے سو جاواں تلیں — سو جیوں ناگ زہر پاداں تلیں

نہ جانوں کہاں کون منتر سکھیاں — پدم پانوں تل ناگ جنتر سکھیاں

۱۹۰ سزاوار شاہی کوں ہے سازوار — ہنرمند چوسار ہور رازدار

دلارام شیویاں میں استاد ہے — گل اندام گرچہ پری زاد ہے

بہوت چھند چالے دل آویز ہیں — شکر بیز ہیں اور نمک ریز ہیں

سمن زار کے تو کمر تار ہے — کمر تار کے نار اوتار ہے

کیتے یاد دھرتے ہیں نازک نہال — سو دو ہیڑے ہور جھولنے ہو خیال

۱۹۵ چنگیری ہے چالیاں کے غمزیاں کے موٹ — سو باتاں میں نابات مصری کے گھوٹ

نظر باز بازی میں چابک سوار — ملائک فریب و معارف شکار

دل آشوب جن کے نے لے گُن کئے — بجیں پایلاں نال رُنجھُن کیئے

ہوا بار سفرا شہر یار کا — ملیا لوگ سب آرکا بھار کا

کیا بار دارائے دریا شکوہ — زلیبیاں کے جالے و حلویاں کے کوہ

۲۰۰ دھرے تھالِ زریں میں بالا و زیر — دُراجاں کے ڈہگلے بٹیراں کے ڈھیر

سو بریاں و بغرا و قلیا سُباس — سو مچھلیاں کے کھنڈڑے انڈڑیاں کے اس

بلیبنبو و نیبو و سرکا مسیر — سو جغرات ولنجا و پُدنا پنیر

کمیت ہور کا میخ تازے رعیف ۔ تنک نان مانڈے کما چاں لطیف
سو زرباف کاشی خـــــرو ار کے ۔ سو زربفت یزدی شُتر بار لے
ظروفِ زر و سیم تو بے حساب ۔ ۲۰۵ نہ دفتر میں پاویں نہ اندر کتاب
دیا صاف نرمل پنچھل غوریاں ۔ پنچھل غوریاں ہور فغفوریاں
پُپیپیرے کیسرے صندوقاں ہور سبد ۔ بلیساں کیسرے مرطباں بے عدد
ہدایا مگر دھن کیرا مات سوں ۔ کفایت کیا اوس مہمات کوں
قلم کردن راس سب بانس کے ۔ سیاہی دریا کاغذ آکاس کے
کھٹے ہور رُکھے بھرے یو تمام ۔ ۲۱۰ صفت شہ کی پوری نہ ہوو السلام
تو بہتر کہ شوقی ز راہِ صواب ۔ دعا و کرے جو اُچھے مستجاب
سدا جیو راجے جنم راج کر ۔ جو دُشمن مونڈی تل کرے لاج کر
کرے راج جو لگ گگن دھرتری ۔ کرے راج جو لگ پُرب استری
شہریار خاطـر کے تیں شاد دار ۔ ۲۱۴ قیامت لگوں یوں رہوے یادگار

حسن شوقی

غزلیات
و
متفرقات

(الف)

تجھ مکھ کنول کنولے بدل جگ میں سورنگ لالا ہوا

تجھ زلف تھی اُنچی بھنور دوجی بھونگ[1] کالا ہوا

تجھ نین تھی نرگس کھلی عبہر کھلی بنکش پھلی[2]

تجھ خوئی تھی دونا ہوا مَرواہوا بالا ہوا

تجھ بال کالے رات ہور بالا سو کہتے[3] دیس ہے

تجھ بال ہور بالا مگر ہنگام چڑ کالا ہوا

یہ غزل انجمن کی دو بیاضوں میں ملی۔ ایک میں چھ اور دوسری میں سات شعر ہیں۔ اسی غزل کو سخاوت مرزا نے کسی اور بیاض سے لے کر رسالہ اردو کراچی اپریل ۱۹۵۵ء میں دوسری دو نئی غزلوں کے ساتھ شائع کیا تھا۔ اس غزل میں سات[4] شعر ہیں۔ ہم انجمن کی بیاض سے، شعر والی غزل یہاں متن میں دے رہے ہیں اور اس کا مقابلہ رسالہ اُردو اور دوسری بیاض کی غزل سے کر رہے ہیں۔

[1] انجمن کی دوسری بیاض میں بھونگ کے بجائے بھنگ کا لفظ ملتا ہے۔ کالا بھجنگ 'بے حد کالا' کے معنی میں آج بھی بولا جاتا ہے۔

[2] بنکش پھلی کے بجائے رسالہ اُردو کی غزل میں "بن کر کھلے" ملتا ہے اور انجمن کی بیاض میں 'پنکج پھولے' کے الفاظ ملتے ہیں۔

[3] کہتے کے بجائے رسالہ اُردو میں 'کوتہ' کا لفظ ملتا ہے اور یہی لفظ انجمن کی بیاض میں ہے۔

تجہ ناز کے بیداد تھی ویراں ہوا ہے کانورو[1]

تجہ لب شکر کے قول تھی معمور بنگالا ہوا

اُفتاں وخیزاں روز و شب (تنہا پھروں سنسار میں)

جس وقت تھی تجہ نینہہ کا (مدپیہہ متوالا ہوا)

مجہ جگ پہ جگ چنچل انجھواں تھی یک رتری ہو رہی

اس عکس کے معکوس سوں نکتے سرنگ مالا ہوا[2]

شوقی ہماری برہ کا (آسانِ) جیوں جو کہیا فلک

پاسنگ اس میزان کا کاویل ترنالا ہوا

---

[1] ۔ 'کانورو' کے بجائے رسالہ اُردو میں "کانزاو" کا لفظ ملتا ہے اور انجمن کی بیاض میں "گنہ ور" کا لفظ ملتا ہے۔

[2] ۔ رسالہ اُردو میں یہ شعر یوں ملتا ہے:

مجہ چک پو جگ جلتی چنچل انجواں سو کر برا ہوا

تجہ عکس کا معکوس ہو تکتی سرنگ لالہ ہوا

انجمن کی بیاض میں اس شعر کا کچھ حصہ کیڑے کی نذر ہو گیا لیکن جتنا کچھ پڑھا جا سکتا ہے وہ اس طرح ہے۔

.........چنچل انجواں تے پگ ریزی ہوئی

تس عکس کا معکوس......... لا ہوا

(۲)

گیا ہے عشق نے میری دُرونی میں وطن اپنا
کہ ہردم ڈھونڈتے پھرتے اچھو دامِ سخن اپنا

گیا آرام سب تن کا پریشانی لگی نِس دن
اُچھلتے عشق کے شعلے کہوں کِس جا مرن اپنا

سترَ بجن کے بچھڑنے میں لگی تِلتِل سو گھٹنے میں
ہوا معلوم جب دیکھا سو دَرپن میں بدن اپنا

نجانی تھی کہ آخر یو بچھڑنا ہوئے گا پیوسوں
دگرنہ بھوت باتوں سیں سجن کرتے جتن اپنا

کیئے تھے قول اے شوقی کہ تجھکو چھوڑ نا جاؤں
ولیکن چھوڑ کر مجھ کوں بِسر کر گئے بجن اپنا

(۳)

لے[1] دن ہوئے سترَ بجن مجھ لگ[2] پتر نہ بھیجا
تجھ[3] راز کی نشانی مجھ یاد کر نہ بھیجا

یہ غزل قدیم اردو اول میں ملتی ہے جس میں ۵ شعر ہیں۔ انجمن کی بیاض میں ۶ شعر ہیں۔

[1] قدیم اردو میں 'لے' کے بجائے 'لئی' [2] 'مجھ لگ' کے بجائے 'لکھ کر' [3] 'تجھ' کے بجائے 'کچ'۔

تجہ عشق کے درس میں برہا ہوا مطول

اپنا وصال پیارے کی مختصر نہ بھیجا

خوباں کی انجمن میں لالن ہوئے[1] ہیں ساقی

نرمل شراب نہکا[2] یک جام بھر نہ بھیجا

رو رو صبا گئی[3] میں تیری خبر کے ہاوی

بادِ صبا کے ہاتوں کہہ کچھ[4] خبر نہ بھیجا

برہا زہر پئی ہوں مرنا ہوا ہے نیرڑے[5]

دلبر طبیب آپی[6] اَمرِت اَدھر نہ بھیجا

شوقی[7] شکر غزل[8] کی کھنڈیاں سوں باٹتا ہے

طوطی طبع کوں میرے یک من شکر نہ بھیجا

(۴)

تجہ باج سب جگ پار کھا[9] بندے خدا ملکے خدا

کرنا سفر یکبار کا بندے خدا ملکے خدا

---

۱ ہوئے ہیں کے بجائے ہوا ہے۔ ۲ نہکا کے بجائے مجھ کوں ۳ صبا گئی کے بجائے صبح گیا ۔ رو رو صبح گیا تیری خبر کے آوے۔ ۴ کہہ کچھ کے بجائے 'کچھ کہہ'۔ ۵ یہ مصرع یوں ہے: برہا زہر پیا ہیں مرنا ہوا ہے میرا۔ ۶ آپی کے بجائے [illegible] ۷ [illegible] ۸ غزل کے بجائے شعر۔ ۹ یہ غزل دو بیاضوں میں ملتی ہے، پہلی میں ۷ اور دوسری میں ۶ شعر ہیں۔ پہلے مصرعہ میں 'پار کھا' کے بجائے بیاض ع میں 'مارکا' اور 'بندے خدا' کے بجائے 'خلق خدا' لکھا ہے۔

رہنا یہاں کیا ہے نفا سہنا یتا[1] جور و جفا

اُبڑیا نہیں جگمیں و فا بندے خدا ملکے خدا

یاراں منے یاری نہیں بھایاں میں غمخواری نہیں

لوگاں[2] میں دلداری نہیں بندے خدا ملکے خدا

جس دھر کہوں اپنا قصہ لوگاں کہیں لا گیا پسا

میری مُرگ جگ کا ہنسا بندے خدا ملکے خدا[3]

جینے تے اس بہتر مرگ نت اُٹھ سہوں غم کی کھڑگ

مجہ آہ تے جلنا سُرگ بندے خدا ملکے خدا

مجنوں بی ہور لیلیٰ سُکیا فرہاد بی مارگ چھکیا

مجہ سا نہیں جگ میں دُکھیا بندے خدا ملکے خدا[4]

تیری زُلف کے طوق سوں بانڈے گیا ہوں ذوق سوں

شوقی ہوا ہوں شوق سوں بندے خدا ملکے خدا[5]

---

[1] 'سہنا یتا' کے بجائے 'کیتا یتا' تھا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں 'ابریا نہیں' کے بجائے "اب نہی رہیا"۔

[2] 'لوگاں' کے بجائے "دوستاں"۔

[3] یہ شعر بیاض مٹ میں یوں ہے: جد میں کہوں اپنا قصا لوگاں منے لاکا لبسا ۔ میرا خون جد کا ہنسیا خلق خدا ملک خدا۔

[4] یہ شعر بیاض مٹ میں اس طرح ملتا ہے: فرہاد بن شیریں رہیا مجنوں جو بن لیلیٰ رہیا ۔ مجہ سا نہ تھا اور دکھیا خلق خدا ملک خدا۔

[5] یہ شعر مٹ میں اس طرح ملتا ہے: تیرے زلف کے طوق میں الجھا ہے جیوات و دل نتیں ۔ شوقی ہوا ایک شوق تے خلق خدا ملک خدا۔

(۵)

ڈھلے تجہ نین میں کیکی سو بن ڈوری چکر پھرتا
نول نرگس کنول میں اس و ماتا ہو بھنور پھرتا

سپجے مکہ شمع ہے تیرا معانی کی مجالس میں
پھرے چک بال گالاں سوں شمع پر جیوں دُھنور پھرتا

پھرے نیناں منے تیرے پیارے جیو مجہ گھن گھن
کہ جیوں ریشم کے تاراں میں مُقوّے کا چپیر پھرتا

پھروں لس دیس جوں چھائیں پچھیں تجہ بے مُروّت کے
کدھیں ہنس کر کہے نیٹ یوں دیوانے توں کدر پھرتا

سو مَدمجہ شوق کا شوقی پیا ہوں شوق سوں پیالا
برانا بادلا ہو کر تدھاں تی بے خبر پھرتا

(۶)

تجہ قد نیشکر ہے یا ....
یا سرو کا بچا ہے خوش باغ بن زندگ کا

یا چک سو دو پیالے مے ناب بھر رکھے ہیں

یا ممکہ کے جل بچھل میں جوڑا ہے یک ثمک کا

میں مختصر کیا ہوں تجہ زلف کوں مطوّل

تقلید خوش ترک ہے اس زلفِ مُشترک کا

جو کیر مجہ گلّے کی سو کیر کر بچا لو

ہر یک پڑیا . . . .

صد بار ہم نمک ہو بھی دشمنی عجب مجہ

کچہ بھی ملاحظہ ہے ہم جام و ہم نمک کا

تجہ برہ کی کھڑگ تے جی بھا گیا ہے جی لے

دایم وو زرد رُو ہے جوں رنگ استرک کا

شوقی بجود کیجے ہر جاگہ دلربا تجہ

یوں بوجھنا نہیں ہے یا دار کا یو ممک[1] کا

(۷)

تجہ نین ماتا جو کوئی تِس جام سیتی کام کیا

تجہ زلف کا کافر جنے اسلام سیتی کام کیا

تجہ زلف ہور رخسار کی سرخی سیاہی چک دیکھیا

[1] ممکہ ، نام شہر

مُنجہ صبح کے پروا نہیں ہور شام سیتی کام کیا

میں ننگ ہور ناموس کوں پاپوش کر کیتا وِداع

اب ننگ سوں نسبت نہیں ہور نام سیتی کام کیا

انجام کی مقصود اگر آغاز میں حاصل ہوئی

مقصود کی آغاز کوں انجام سیتی کام کیا

اے مُدّعی فریاد کر قاضی کنے کچہ غم نہیں

مجذوب کوں قاضی کیرے اعلام سیتی کام کیا

زاہد نکو دکھلا مجُے فردوس کے امید کچہ

سونا جو کوئی کرتا اچھے انعام سیتی کام کیا

شوقی خدا ہور مصطفےٰ شاہی گدائی تجہ دئے

یہ دِین دُنیاں ہے جسے تِس کام سیتی کام کیا

(۸)

تُجہ عشق عالم سوز جب مجہ گھٹ منے پرگھٹ ہوا

دوزخ منے ہور جج منے اس روز تے کھٹ پٹ ہوا

پَولاد کیا ہے یاں بڑا الماس تے جی سخت تر

تجہ برہ کی پاوک منے کس توٹ کر کسپٹ ہوا

جب عشق کا موسیٰ یدے بیضا رُخت دکھلائیا

تب عقل کے فرعون کا دعوا جتا ابتٹ ہوا

جو چرخ عالی قدر کا شمس الضحا بدر الدُجا

او تجہ بھواں کے دَور میں جوں ماہِ نو گھٹ گھٹ ہوا

اس وقت تے صندل چتا جگ سوں کیا خاطر خنک

جس رات کا لا ناگ ہو تجہ زلف مجہ لٹ پٹ ہوا

تجہ زلف تے پیچاں اگر مشرک ہوا تو کیا عجب

اسلام میں جے ہے زبوں او کفر میں بل گھٹ ہوا

مجہ دیکہ کر حاذق کہیں اس درد کوں دارو نہیں

آغا مُلانے یو بجیں ابجہر ستی او چٹ ہوا

مجہ پیرِ عالم گیر کا مردود سو مقہور ہے

گھر بار اس ناپاک کا یک بارگی تل پٹ ہوا

بھنڈار اُگھت باکا اکھت صوفیاں میں شوقیؔ تجے

سٹیاں سیاں میں کر مکھند جوگیاں منے کرجٹ ہوا

۹

اس چک کیہے تسرور منے نیں کوئی کنول تجہ سار کا
توں یاسمن کا پھول ہے فردوس کے گلزار کا

قامت اہے تیرا پیا یا نخل یا سروِ سہی
یا نیشکر یا ہے الف یا ہے عصا بر دھار کا

تیرے دہن ہور لعل کے اوصاف ہوئے جب باغ میں
لالہ دُوکھوں رو یا رکت بکسیا چھیا انار[1] کا

تجہ زلف کے کُجہ دام کوں زاہد کہیں تسبیح[2] ہو
بہمن کہیں بجلنے یہی زُنّار ہے کفّار کا

قدیم اردو جلد اول مرتبہ مسعود حسین خاں میں اس غزل کے ۹ شعر ہیں۔ انجمن کی ایک بیاض میں ۹ شعر ہیں اور دوسری بیاض میں ۱۱ شعر ہیں ہم نے اسی بیاض کی غزل کو متن بنایا ہے اور ذیل میں دونوں کا مقابلہ کر دیا ہے۔ پہلے دو شعر انجمن کی دونوں بیاضوں میں ہیں۔ قدیم اردو اول میں نہیں ہیں۔

[1] بیاض ۱ میں یہ چوتھا شعر ہے اور یوں ملتا ہے:

تیرے دہن کے لعل تے اوصاف ہوا سب باغ میں
لالہ دکھوں رو یا رکت بکسیا ہے پھول انار کا

قدیم اردو میں بکسیا کے بجائے 'بکسا' ملتا ہے۔ [2] قدیم اردو میں یہ شعر یوں ملتا ہے:

تیرے زلف کے دام کوں زاہد کہیں تسبیح ہے
بہمن کہیں سیرا یہی زُنار ہے کفار کا

بیاض ۱ میں یوں ملتا ہے:

تجہ زلف کیری دام کوں زاہد کہیں تسبیح ہے
بہمن کہیں جپ تا یہی زنار ہے کینار کا

جس شہر میں بستا ہے توں سب جگ ہے تیرا[1] معتقد

مومن کہیں مکہ یہی کافر کہیں بُد وار[1] کا

تجہ نور[2] کی نسبت پیا شاتو سمندر سات بُند

خورشید یک گوہرا ہے تجہ حسنِ گوہر بار کا

صورت میں توں ہے[3] پادشہ سیرت منے درویش جیوں

یوسف سا تجہ میں کیوں کہوں پن ہے توں یوسف سار[3] کا

عاشق کیرے مذہب[4] منے قبلہ مجازی نئیں روا

قبلہ حقیقت کا یہی دلدار تجہ دیدار[4] کا

[1] - قدیم اردو اول - تیرا کے بجائے 'اسکا' اور دوسرے مصرعہ میں 'کہیں بد دار کا' کے بجائے 'کہتے ہیں دوار کا' ملتا ہے - بیاض ب میں بُد دار کے بجائے 'ہندار' کا لفظ ملتا ہے -

[2] - قدیم اردو اول میں 'تجہ نور کی' کے بجائے 'تج زلف کا نسبت ملتا ہے - بیاض د میں یہ شعر نہیں ہے -

[3] - 'صورت میں توں ہے' کے بجائے قدیم اردو اول میں 'صورت منے ہے بادشاہ' ملتا ہے اور دوسرا مصرعہ یوں ملتا ہے ؎ یوسف توں ہے کر کیوں کہوں پن ہے توں یوسف سار کا - بیاض د میں یہ شعر یوں ملتا ہے: ؎ صورت منے ہے پادشہ سیرت منے درویش حیف ۔ یوسف تے تجہ کیوں خوب کہوں ہے... تو یوسف سار کا -

[4] - قدیم اُردو اول میں - 'عاشق گری مذہب کے بجائے 'عشاق کے مذہب' ملتا ہے - دوسرے مصرعہ میں "یہی دلدار تجہ دیدار کا' کے بجائے 'یہی دیدار تج دلدار کا' ملتا ہے

انجمن کی بیاض د میں یہ شعر نہیں ہے -

توں مشکبو جیسے[1] صنم عالم معطر ہو رھیا
تجہ طرۂ طرار میں نافہ ہے خوش تاتار کا

تجہ خال ہے رخسار میں یا ہے بھنور[2] گلزار میں
یا مصر کے بازار میں زنگی کھڑا زنگبار کا

دل جامِ جم ہے شاہ کا شوقی نگر پھر عرض توں[3]
ایسے شہے عارف کنے حاجت نہیں اظہار کا

[1] ' توں مشکبو جیسی ' کے بجائے قدیم اُردو اوّل میں " اے مشکبو منبدی " ملتا ہے اور بیاض [2] میں " اے مشک بو بند و صنم .... " دیا گیا ہے۔ دوسرا مصرعہ قدیم اُردو میں یوں ہے ؎
تج طرۂ طرار میں نافہ ا ہے تاتار کا
اور انجمن کی بیاض [2] میں ؎ تجہ ترۂ ترار میں نافہ لہے تاتار کا ' ملتا ہے۔

[2] انجمن کی بیاض [2] میں یہ مصرع یوں ملتا ہے ؎
' تجہ خیال کے گلزار میں یا ہے بھنور گلزار میں ' بھنور = بھنور

[3] ۔ " پھر عرض توں " کے بجائے قدیم اُردو اول میں ' اظہار کچھ " ملتا ہے اور دوسرے مصرعہ میں " ایسے شہے عارف " کے بجائے " شاھنشہِ عادل ' ملتا ہے۔ انجمن کی بیاض [2] میں پورا شعر قدیم اُردو اول کا ہے سوائے پہلے مصرعہ میں " کچھ " کے بجائے " توں " ملتا ہے۔

(ب)

(۱۰)

دُنیا زلیخا ہو رہی تجہ یوسفِ ثانی سبب
کاٹیا اَپس کوں چاندنے تجہ سُورِ نورانی سبب

مُکہ نور کا دریا اہے اتما نمک بھریا اہے
جگ شور میں پڑیا اہے تجہ لب نمک دانی سبب

یا زلف یا تحریر ہے یا دامِ عالمگیر ہے
یا سحر کی زنجیر ہے جگ کی پریشانی سبب

ہر یک بھنواں جیوں طاق ہے عالم تیرا مشتاق ہے
نے جُفت اتما طاق ہے تیری جہانبانی سبب

از بس پریت کے طوق سوں اُلجھا ہے جیو جم ذوق سوں
شوقی ہوا اِت شوق سوں تیری ثنا خوانی سبب

(۱۱)

کھُب کھُب رہی ہے من میں تری زلف کی کھب کھب
مج جیو کے گلے میں پڑیا ہے طوقِ غب غب

تپ تپ ہوا ہوں تب سیں تیرے وصال کارن
جپ جپ گیا ہوں جینا ہر دم کتا ہوں اب اب

تج وصل کوں ڈرنگ ہے ہو مُج نہیں صبوری
جاتی ہے زندگانی آتی ہے موت دب دب

سروے قداں سوں ہاوے شوقی ہوا ہے مجنوں
کب کب گیا ہوں توبہ کب کب گیا ہوں کب کب[1]

(ت)

(۱۲)

گر نکو توں کسی سیں انوٹھی بات
کہیں گے لوگ ہوا ہے تجہ پینات

دور آیا ہے خود پسند اس کا
رد بدل کر نکو کسی کی سنگات

بن ترے کام خام ناں ہوسی
اصل ہور نسل ہور رجل کم ذات

بات کوں لگ یتا اوسی کی توں
جیوں پتھر پہ کی لیکھ جس کی بات

دوست چشمی سوں مل کے رہ شوقی
پان سوں جیوں چونا سپاری کات

---

[1] مولوی عبدالحق مرحوم نے قدیم اُردو مطبوعہ انجمن کراچی نے صا۹ پر یہ چار شعر نقل کئے ہیں۔ انجمن کی بیاضوں میں تلاش کے باوجود یہ پوری غزل نہ مل سکی۔

ر

(۱۴)

تجہ لعل[1] کی سرخی کنے[2] یاقوتِ رُمّانی کدر

اور اشک کی لعلی کنے لعلِ بدخشانی کدر[3]

تجہ زلف کی زنجیر اہے زرہ داؤدی زبوں

تجہ ذہن کے حلقہ کے کنے مُہرِ سلیمانی کدر[4]

میں یوسفِ ثانی تجے سہوا کھیا[5] معذور رکھ

اس سُورِ[6] نورانی کنے وہ[7] ماہِ کنعانی کدر

ترکیب شمسی اے قمر تیری گلی کی خاک اُس

اکسیرِ اعظم کے کنے نوشادرِ کانی کدر[8]

شوقی ہمارے عشق میں کئی زاہداں مشرک ہوئے

اس مذہب کفار میں تیری مسلمانی کدر

مقابلہ قدیم اردو، اول

[1] لعل کے بجائے "گال"۔ [2] کنے کے بجائے "انگیں"۔ [3] دوسرا مصرع یوں ہے تجہ اشک کے لالے انگیں لعلِ بدخشانی کدھر۔ [4] یہ شعر یوں ملتا ہے۔ تجہ زلف کے زنجیر تل ہے زرہ داؤدی زبوں، ہور تجہ رتن حلقہ کنے مہرِ سلیمانی کدھر۔ [5] سہوا کھیا کے بجائے "سہوا" کیا"۔ [6] سور کے بجائے ماہ۔ [7] وہ کے بجائے "دو"۔ [8] یہ شعر یوں دیا گیا ہے۔ تیری گلی کی خاک اس ترکیب شمس ہے اے قمر، اکسیر اعظم سامنے نوشادرِ کانی کدھر۔

(۱۴)

.... ک پر

نہیں تو سُک ہے اکثر لیا بندی....ک پر

انکھیاں جوڑی ہے لکڑاں کی کہ تا پرواز ہیں شاہیں

ستوں آئے پڑتے ہیں تیرے مُکھڑے کے لک لک پر

ہرے مینے کا ٹیکا تجہ پشانی پر دِسیا مجہ یوں

نین جوڑی تُرمتیاں کی چھوٹی ہیں ایک سبز رک پر

سکی کیا جہر شکاری ہو نین باشی اوڑا تی ہے

چلاتی بے خطا موٹھاں ہمارے دل کے پیلک پر

(۱۵)

کیا چھند سوں کھینچے ہے دھن سو کا نین کوں سحر کر

یا تجہ نین کے ترک نے کھینچا ہے خنجر منجہ اُوپر

تیرا نظر ہو ریکا جان کیوں فتح یا بی ہوئے نا ؟

تجہ نین کے راوت کے ہت سو کا ہے شمشیرِ ظفر

یا مُو قلم مانی کا ہے راکھیا ہے لکہ نا سک نین

نکلیا ختن سوں یا ہرن سنبل کی کاڑی موں میں دھر
یا بھوت کرتے کھوڑ کر سو کیا کی پگ زنجیر ہے

یا کچہ نین کے موں میں تجہ کالی دیے ہیں نیشکر
یا جھاڑ کوں تجہ نین کے سو کا مکر سُکتان ہے

نیٔش نیش غلط بولیا ہوں میں کشتی نین سو کا لنگر
یا ہیں کبوتر جوت کے کیا چک تیرے اِت جوت سوں

سو کا ہے کاغذ نل کا جیوں باندے ہیں اس کے پر مگر
یا لوز کیاں دو ہیں ندیاں سو کے سو جیو پایاب ہے

یا دو ہیں کوثر کی چھُری سو کے دسیں اس کے پچر
یا سطر بعد از بھوں کے تجہ سو کیا کی دُسری سطر ہے

یا خط ہے سرخط کی پچھیں خطاط کا ہے رسم کر
یا ہیں کمند انداز او کوٹیال تیرے نین دو

سو کا کمند لے ہات میں بیٹھے ہیں سٹنے چک ادپر
یا دو تفنگی نین او سو کا تفنگ لے ہات میں

رنجک لگا کر ناز کا بیٹھے ہیں مجرا جوڑ کر

سو کے تیراں بار ہیں یا نین تیر انداز کے
جا دل کوں پونچے ہیں میرے سب پھوڑ سینے کا ببر

یا دو ہیں سُرخک نین او سو کا سودھا گا باند کر
چارا ایس کا مُوں میں لے بیٹھے ہیں یا دو جانور

یا نین ہیں موسیٰ تیرے سو کا عصا موسیٰ کا کنول
یا تیر ہے نمرود کا مچھلی کوں بٹھیا حکم پر

(۱۶)

دلبر سلونی نین پر کھینچے ہے سو کا خوبتر
خطاط جیوں ماریا رقم چھندوں ثلث کے صاد پر

یا نین موتی ڈھال ہے سو کا سوتا گا نیل کا
موتی پرو کر کھینچتے تھوڑا رھیا جیوں توٹ کر

یہ غزل انجمن کی ایک بیاض میں دس اشعار پر مشتمل ہے۔ رسالہ اُردو اپریل ۵۴ء سخاوت مرزا نے جس بیاض سے نقل کیا ہے اس میں گیارہ اشعار ہیں۔ ہم نے انجمن کی بیاض کی غزل کو متن بنایا ہے اور رسالہ اردو کا شعر اس میں اور شامل کر دیا ہے۔

یا چک دوات ہے سیم کی کیکی سیاہی بھر رکھی
سو کا قلم جیوں واسطی کاتب کیا اس میں بسر

آہو کوں بیٹھا تیر یا مُکہ میں کھنجن چار لیا
تا تل زنگی پر کیجیا لو چن ترک کھینچیا خنجر

یا ہے نگر[1] نرمل بدن ہور کشن جیوں چنچل نین
سو کالے پاوا در دہن دُلتا کھڑا جیوں بیخبر

یا مُکہ سمند چک میں اہے ادہم کے سوئی سو کا کہوں
اس کے اسے دیبے بدل مُکہ میں پکڑ آئے مگر

یا ہے ترنگ اچپل نین ہور سار سو ہند و برن
سو کالے برچا بات میں آیا کسی جیوں مار کر

یا زلف سو ہے ناگنی سو کا بچہ نیکا جنی
کھاوے گی[2] کرا دو پاپنی جا کر چھپیا نرگس بھیتر

یا مُکہ سو جیوں گلزار ہے ہور زلف جالو نا ہے
چک کار ری چو سار ہے سو کا سہی جیوں نا کسر

---

[1] "نگر" کے بجائے "مگر" (رسالہ اُردو) [2] "کہا دے" کے بجائے "کھاور" (رسالہ اُردو)

یا پھول ہے گل لالہ کی سو کا ڈنڈی اس پھول کی

پتلیاں مرتب یوں دِسے جیوں پھول پر بیٹھے بھنور [۱]

یا دو ستارے دُوم کے اِت جوت سوں نِت جگمگیں

تس دیک جوسی یوں کہیں عشاق کا ہو یگا کھتر [۲]

تجہ روپ کے بازار میں دو نین بازی گراہیں

سو کا سلائی سحر کی بھاتی ہیں اپنی انگ دھر [۲]

سو کے کیرے منطق منے صورت (معانی علم ہے) [۳]

مُطوّل نکر شوقی غزل ہے (قافیہ تجہ مختصر) [۳]

---

[۱] - یہ شعر رسالہ اُردو میں زیادہ ہے۔

[۲] - یہ دو شعر بیاض میں زیادہ ہیں جو اس غزل میں نہیں ہے لیکن اور شعر کیڑے کی وجہ سے پڑھے نہ جا سکے اس لئے متن اس غزل کا بنایا ہے اور رسالہ اُردو اور دوسری بیاض سے اسے مکمل کرکے اشعار کی تعداد ۱۳ ہوگئی ہے۔

[۳] - یہ شعر رسالہ اُردو میں بھی اتنا ہی دیا گیا ہے۔ لیکن انجمن کی دوسری بیاض میں یہ شعر پورا ہے۔ بریکٹ کے الفاظ اسی بیاض سے لے کر شعر مکمل کیا گیا ہے۔

(ز)

(۱۷)

خوباں منے اوّل ہے توں آخر نہیں ثانی ہنوز
میثاق تے تجہ روپ کی دنیاں ہے دیوانی ہنوز

تجہ دل کٹھن فولاد ہے بیداد تجہ کوں داد ہے
شیویاں منے استاد ہے باتاں میں نادانی ہنوز

تجہ زلف کے پرتاب پر چک باو نی کیتی گزر
افتاں وخیزاں در بدر زاہد پریشانی ہنوز

تجہ دیکہ تصویر چھوڑتا کالنسے سوزنگی پھوڑتا
لے موں قلم کوں توڑتا اچھتا اگر مانی ہنوز

تجہ چک پلک تروار کر مجہ تن کے کئی ٹکڑے کیتے
تجہ عشق نے کافر کیا کاں کی مسلمانی ہنوز

(ن)

(۱۸)

جو کوئی ثابت قدم اپنا رکھیا ہے عشق بازی میں

سو کیخسروا و شیریں کوں لیا ہے سرفرازی میں

شمع کے سوز میں سکھ نیں وِلے آرام ہے دن کوں

گھٹی ہے عمر سب میری سو لِسدن جانگدازی میں

نہ کر تعریف مجنوں کی کہ الماضی ولا یذکر

ہمارا عشق مستقبل ہوا ہے کارسازی میں

نہ کہہ ناصح نصیحت مجہ بجز عاشق وفاداری

ہمیں کچہ اور سمجھے ہیں نمازی ہور نیازی میں

اگر عشقِ حقیقی میں نہیں صادق ہوا شوقی

وے مقصودِ خود حاصل کیا ہے عشقبازی میں

(۱۹)

پِیا مندھر کری اپنا پیا جہاں بُلائی مَیں

میا سوں تخت پر دلکے سَجن کوں بیسلائی ہیں

پیا کا سیج سینا کر دھری گردیا دو جوبن کیاں

بھواں محراب درمیانے دِیوی دو نین لائی مَیں

نین سو پھول نرگس کے کلی نا سکھ سو چمپے کے

گلالاں موز گلشن میں سریجن کوں لجائی میں

تبق دیدار درمیانے دھرے یو پھول ہر جنسی

حُسن سرپوش کر اپنا سجن کوں دیکھلائی میں

لجا شوقی پیارے کوں دیکھائی تن مندھرا پڑ

کری تکلیف سوں تعظیم اُدھر اُمرت پلائی میں

(۲۰)

جوبن ستوں قد سہاوے لٹکے جو دھن اگن میں[1]

دو پھول پریاں سوں ڈالی دِستی ہے جیوں چمن میں[2]

جب دھن انگن کھڑی ہے تن ابرہن پری ہے

تخت حسن کا چڑی ہے دل مل رھیا رین میں

خوش مانگ لا سنوارے موتی دِسیں ہو تارے

جیوں چاند سوں ستارے اوکھے ہیں سیام گھن میں[3]

---

[1] "سوں" کے بجائے "سو" اور "اگن" کے بجائے "انگن"۔

[2] دوسرا مصرعہ یوں ملتا ہے ؎ دو پھول ریاں سوں ڈالے ڈُلتے ہیں جوں چمن میں۔

[3] یہ شعر یوں ملتا ہے۔ جب مانگ لا سنوارے موتی دِسیں منارے + یا چاند سوں ستارے جھانکے ہیں شام گھن میں۔

راتے نین سرنگ ہیں دو مست جوں ترنگ ہیں[1]
کرتے اپسمیں جنگ ہیں مکہ نور کے صحن میں

تجہ مکہ دسے خراساں لوچن دسے ہندوستاں
راتے اُدھر بدخشاں بستائیں ذ ســن میں

سُہتا الک سو کالا دِستا بھونگ بـالا
بَستا اچھے[2] بنگالا تجہ نین کے انجن میں

عاشق جو تجہ پو ہوویں سُدبُد اپس جو کھوویں
مجنوں فرہاد روویں یہ ناز تے کفن میں[3]

دیتا ہے تجہ الہی ناریاں کی پادشاہی
حوراں منے دُھائی تیری پو تربھون میں[4]

شوقی کی ہے پیاری ہنس ہنس کہے سوناری
افضل[5] غزل تُماری جوں سورہے گگن میں

---

[1] پہلا مصرع یوں ملتا ہے ؎ راتے نین سو جگ ہیں دو مست جوں مدن میں۔
[2] اچھے کے بجائے 'اگوڑ'
[3] عشاق انجوں جھوویں سُدکھو دیوانے ھوویں + فرھاد مجنوں روویں یہ نازسُن کفن میں
[4] یہ مصرعہ یوں ملتا ہے ؎ حوراں پریاں میں شاہی تیری ہے تربھون میں
[5] افضل کے بجائے "مشہور"۔ (قدیم اردو اول میں کل ۶ شعر ہیں۔ ہمارے ہاں ۹ ہیں)

(۲۱)

جاناں تجھے جو دیکھت جگ[1] چھند بھری کتے ہیں

کوئی حور پدمنی کوئی[2] کوئی شہپری کتے ہیں

تجہ زلف کے رَین میں جھمکے سرنگ عُزارا[3]

کوئی چاند کوئی زُہرا کوئی مشتری کتے ہیں

تجہ نین کے اَنجن کوں ہو زاہداں دوانے

کوئی گوڑ، کوئی بنگالا کوئی سامری کتے ہیں

میں تجہ فراق سیتی رو رو سمند بھریا ہوں[4]

کوئی گنگ کوئی جمنا کوئی ساوری کتے ہیں

جب عاشقاں کی صف میں شوقی غزل پڑے تو[5]

کوئی خسروی بلالی کوئی الوری کتے ہیں

قدیم اُردو اول اور انجمن کی بیاض دونوں میں پانچ پانچ شعر ہیں۔ فرق یہ ہے۔

[1] 'جانا تجھے جو دیکھت جگ' کے بجائے 'جاناں تجھے جو دیک کر ہو'۔ [2] 'پدمنی کوئی' کے بجائے 'کوئی پدمن'

[3] پہلا مصرعہ یوں ملتا ہے ؎ تج زلفِ شب قدر میں جھمکیں سورنگ عزارا۔

[4] یہ مصرعہ یوں ملتا ہے ؎ من از فراق رو لیست رو رو سمند بھرایا۔

[5] پہلا مصرعہ یوں ملتا ہے ؎ جب عارفاں کی صف میں شوقی شعر پڑیا ہے۔

(و)

۲۲

بن مارنے مُوا ہوں تُسگی دند نکو کرو
دو تن سوں بُرہ بچار چُھپے چھند نکو کرو

آکر پرِت کے پھند میں میں صید ہو پڑیا
غم کے قفس میں گھال مجے بند نکو کرو

چھاتی جلے ہماری کہو رکن رکیا تُمن
مرحُم[۱] نکو لگاؤ سوتر بند نکو کرو

جی میں کہوں گا تمکوں دو تن سوں کہو نکو
اتلس[۲] کوں پھاڑ کملی کوں پیوند نکو کرو

گر جل ہوا ہوں راک برہ آگ میں تمن
مجہ باج بھی تمُیں کسی اسپند نکو کرو

جو کوئی کہے گا تم کوں کہ شوقی تے گھٹ ملو
وہ بندتے سو دند ہے ہر چند نکو کرو

۱۔ مرہم ۔ ۲۔ اطلس ۔

(۵)

(۲۳)

نَیَن کے پاؤں کر جاؤں سجن جب گھر بُلاوے مجھ

نہ جاگوں گی قیامت لگ اگر گل لگ سُلاوے مجھ

کہ میں ماتی ہوں ڈُلتی کر جھوٹی شہرت ہوا جگ میں

ولے میں کچھ نہ مدماتی ترا ہاوا ڈولاوے مجُھ

اَگَن پانی تے بُجھتی ہے ولے یو سوز بُجھسی نا

اگر دریائے قُلزم میں سدا اُٹھ کوئی نِھلاوے مجھ

کُدیں تجھ باج جیوں نا اگر عیسیٰ جِلاویں تو

کسی تُجھ باج بُھل سوں نا اگر یوسف بُھلاوے مجھ

نہ غم غمگیں سکے گا کر اگر جو توں رکھے شوقی

نہ سُک ہنسنا ہنسا سکسی جو تیرا دکھ رلاوے مجُھ

(ی)

(۲۴)

نرمل بدن نورانی ہے لیلۃُ البدر تے
جگ میں ہوا اندھارا تجہ زلفِ شب قدر تے [1]

غل بانگ ہو رہیا ہے تجہ روپ کا دو جگ میں [2]
میں بل گیا اپسکوں تجہ ماہ کے اُوپر تے [3]

لیلیٰ صفت جو تیری مجنوں اگر سُونیگا
.... یو تو بھری عجب کیا اس شوق کی خبر تے [4]

چاکھیا اُدھر سو تیرا شیریں تَرک کیا ہیں
نازُو کتر رسالی میٹھی شہد شکر تے [5]

شربت اُپس اُدھر کا گر مجہ پلا و پیارے
بے سُد ہوا ہے شوقی تجہ عشق کے اثر تے

انجمن کی ایک اور بیاض میں یہی غزل ردیف تے کے بجائے "تھے" کے ساتھ ملتی ہے۔

[1] دوسری بیاض میں مصرع اول مصرع ثانی ہے۔ [2] غل بانگ ہو رہیا کے بجائے گلبانگ ہو رہی ہے۔ پہلے مصرع میں "کا" کے بجائے "کے" اور دوسرے مصرع میں "کوں" کے بجائے "سوں" ملتا ہے [3] "اگر" کے بجائے "اگے" اور دوسرا مصرع یوں ہے "جیوے تو پھر عجب کیا اس شوق کی خبر تھے۔ [4] یہ شعر اس طرح ہے سہ چاکھیا اُدھر جو تیری شربت "ترک" دیا ہیں + نازک ہور رسالی میٹھی شہد شکر تھے [املا۔ اپسکوں، اُپس کوں، سُونیگا، سُنے گا، نازُوکتر، نازک تر۔]

(۲۵)

لباس خسروانی کر چھندوں تے سیم بر نکلے
سراسر ناز کا لشکر برابر بھار کر نکلے

دسن اِت سیام کِتے تھی اُدھر اِتے تو ہیں اصلی
سو دھن ہنستی دِسیا مجہ یو کنول کھلتے بھنور نکلے

چنچل اِت بیچ تھی اچپل کھیں یکتل ٹھراتی نیں
جہاں دو تل لہے اس تل وہاں تے نیشکر نکلے

سوگند بھاکاں سو کیتک کیا بھری بالاں منے بالے
بَلا کوں بلبلا کا دئی کہ یا سانپاں کوں پر نکلے

زلف کی یاد میں تہا دل تِل آیا یاد یوں آمیں
نسنگ جوں چور چوری کوں اندھاری گھُس بتر نکلے

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
بحمد اللہ و المنۃ شکر میں تے کنکر نکلے

(۲۶)

اگر میں باغ میں جاؤں تو بلبل دَر چمن لرزے

میرے دل کی اگن دیکھے تو دوزخ کی اگن لرزے

جینو پہر کر گل میں کروں گر بت پرستی میں

میرا ثابت کُفر دیکھے یکایک برہمن لرزے

اگر مجنوں کی تربت پر گزر جاؤں دیوانا ہواں

کہ مجنوں حال میرے کوں جو دیکھے در کفن لرزے

اگر اس شعر میرے کوں کوئی جا کر سنا دیوے

تو اس کے سوز کوں سُن کر دیکھو شوقی حسن لرزے

(۲۷)

کہے[1] افسوں گراں مجہ کوں نہ کام افسوں گری کا ہے

کبہیں ہُشیار نہ ہوسی دیوانہ کس پری کا ہے

مجے زاہد گر کہتے جتے اس شہر کے عالِم

دلے مجہ میں نہیں سمجھے کہ نکتا کافری کا ہے[2]

یہ غزل بھی دو بیاضوں میں ملتی ہے۔ دونوں میں ۶ شعر ہیں اور سوائے الفاظ کے اختلاف کے اشعار بھی اسی ترتیب سے ملتے ہیں۔

[1] پہلے مصرع میں "کہے" کے بجائے "کہیں" اور دوسرا مصرع یوں ہے سہ کدہیں ہشیار ہوسی ناں دیوانا کس پری کا ہے

[2] اس شعر کا دوسرا مصرع یوں ملتا ہے سہ دلے سمجھے نہیں مجہ میں جو نکتہ کافری کا ہے۔

ارے[1] حاجی بیاباں پھر ہمیں مد مانکے پینتھی
کتک جوگی سنیاسی کوں ترت گو داوری کا ہے

قدت سرواں میں سرور سا ولے دل تنگِ مر در سیا
جتے بد[2] باد سر سر سا کھو کس لشکری کا ہے

ادھر کلیاں، دسن موتی[3]، نیلم تل، دل کٹھن ہیرا
جو یو یاقوتِ رمانی کھو کس۔ جوہری کا ہے

ہمارا[4] حسن ہے شوقی معلّم ذہن کوں تیرے
سبق کچھ انصری کا یا درس کچھ انوری کا ہے

(۲۸)

ہرگز نہ ترک کرسوں خوباں سوں عشقبازی
توں قتل آپ کر مجہ جیو سوں ہوا ہوں رازی

---

[1] یہ شعر اس طرح ملتا ہے: "ارے حاجی بیاباں کوں..... !مکہ باں کے بنتی + کتک جوگی سنیاسیاں کوں تیرت گوداوری !کا ہے" [2] جتے بد کے بجائے جو بنٹ کے الفاظ ملتے ہیں۔

[3] پہلے مصرعہ میں 'ادھر کلیاں دسن موتی' کے بجائے 'دسن موتی ادہر کلیاں' ملتا ہے اور دوسرے مصرعہ میں 'جو' کے بجائے 'کہ' کا لفظ ملتا ہے۔

[4] ہمارا کے بجائے تمہارا ملتا ہے۔

مجہ تے خبر ٹلے ہے مطلق شراب پی پی

زاہد بحق کہتے ہیں بے قید و بے نمازی

عُشاق در حقیقت وے بھی کُبھی ہیں کافر

یعنی علم ہوا ہوں در مرکبِ مجازی

اے ترک شوخ سرکش ییتی نہ سرکشی کر

میں با نیاز تجہ سوں مجہ سوں توں بے نیازی

تجہ سنگ تے پیارے شوقی لُو ند ہُوا ہے

کیا کر جواب دے گا پوچھے اگر جو قاضی

(۲۹)

بدکل کہ آہ بلبل وہ گل برن کہاں ہے

جن من ہریا ہمارا وہ من ہرن کہاں ہے[۱]

یہ غزل انجمن کی دو بیاضوں میں ملی ہے۔ ۱ میں ۹ شعر ۲ میں ۱۲ شعر لیکن ۲ میں شعر ۱۲ نہیں تھا جو یہاں شامل کردیا گیا ہے۔ اس طرح اشعار کی تعداد ۱۳ ہو جاتی ہے۔

[۱] یہ شعر بیاض ۱ میں یوں ہے ؂

جن گل کیا (ہے) بلبل او گل بدن کہاں ہے ✦ جن من ہریا ہمارا سو من ہرن کہاں ہے۔

ادجت سوخواب میں آ ماریا پرم کٹاری
بالله ترت مروں گا[1] تیرا کفن کہاں ہے

ازبس فراق جاناں کرتوہوخوں نشانا
اے دل دیا ہموں کوں وے سک کرن کہاں ہے[2]

دربزم ماہ رویاں خورشید ہے سریجن
میں شمع ہوں جلوں گی وہ انجمن کہاں ہے

جن ناز غمزہ کیتا وہ مکعدن کہاں ہے
جن بھر پیالہ دیتا وہ مست من کہاں ہے

جن خنجرِ پرم کا مارے گلین جمیانے
یاراں سچیں کہو تم وہ زخم زن کہاں ہے

از ہند تا خراساں خوشبو ہوا ہے عالم
وہ[3] شاہِ مشک بو کا گل پیرہن کہاں ہے

---

[1] "مروں گا" کے بجائے "مروں گی"

[2] . یہ شعر بیاض ۲ میں یوں ہے:

ازبس فراق جاناں کرتی ہوں خوں فشانی ✦ یہ دکھ دیا ہمن کوں وہ سکھ کرن کہاں ہے

[3] "وہ" کے بجائے "تس".

لالہ سو لال میرا لالی لگا گیا رے

کوئی منج خبر کرو رے اوس کا وطن کہاں ہے

اے بادِ نوبہاری گر توں گذر کرے گا

گلزار تیں[1] خبر لیا وہ[1] یا سمن کہاں ہے

اس شاہ جوان پر تیں تن من فدا کروں گا

ایسا جو مست لائیں وہ من ترن کہاں ہے[2]

عادل شاہ کے دَرَس بن منج یک گھڑی برس دو

برسوں سے کہہ رہی ہوں وہ من ہرن کہاں ہے

شاہی درس بن مجہ یک ہے گھڑی برس یک ؟

کیوں من تھرن رکھوں میں او من ٹھرن کہاں ہے

جن یو غزل سُونایا جلتیاں کو پھر جلایا

سو[3] رند لاوبالی شوقی حسن کہاں ہے

---

[1] تیں کے بجائے تے اور وہ کے بجائے 'او' بیاض ۲ میں ملتا ہے۔ [2] یہ شعر اس طرح ملتا ہے۔ بیاض ۱ میں: اس شہ جواں پہ تے تن من فدا کروں گی + کوئی مجہ خبر کہو ری اس کا وطن کہاں ہے۔ اوپر دی ہوئی غزل میں دوسرا مصرعہ آٹھویں شعر میں ملتا ہے اور پہلا مصرعہ دسویں شعر میں۔ متن کی غزل کا پہلا مصرعہ بیاض ۲ میں نہیں ہے۔

[3] بجائے "سو" کے "وہ" ملتا ہے۔

(۳۰)

جگوئی تجہ برہ پا وک جہنم کا جنم پکڑے[1]

انوکوں حوضِ کوثر تے کدی یک تل نہ نم پکڑے[1]

سو تیرا حسن بیچوں جو ہوا اُجل دکرجوں میں

تداں تے برہمن جگ کے صمد سٹ کر صنم پکڑے[2]

عجب کیا ہے جو پاوے توں بقا توشہ فنا کالے

اثر تیرے دہن کا کچھ اگر راہِ عدم پکڑے[3]

فنا کی فوج میں باقی فقیراں شہ سواراں ہے

انوکوں بیش دِستا ہے خراباتی عَلَم پکڑے[4]

ہمارے حال پر شوقی بجز حق کوئی واقف نیں

کراماً کاتبیں مسکیں رہے حیراں قلم پکڑے

یہ غزل انجمن کی ایک بیاض میں ملی۔ سخاوت مرزا نے رسالہ اُردو اپریل ۱۹۵۲ء میں کسی اور بیاض سے لے کر اسے شائع کیا ہے۔ دونوں غزلوں میں اشعار کی تعداد ہے۔ ہم نے انجمن کی غزل کو متن بنایا ہے۔

[1] جگوئی کے بجائے رسالہ اردو میں 'جنے' کا لفظ ملتا ہے۔ دوسرا مصرع یوں ملتا ہے: اونونے حوض کوثر تے کھندی یک پل نتم پکڑے

[2] دوسرا شعر رسالہ اردو میں یوں ملتا ہے: سو تیرا حسن بیچوں کر ہوا آجلوہ گر جگ میں ۔ ملاتی برہمن جگکی صمد شکر صنم پکڑے۔

[3] تیسرا شعر رسالہ اردو میں یوں ہے۔ عجب کیا ہے جو پاوے تو اثر تیرے دہن کا کچھ۔ بقا توشہ فنا کالے اگر راہ عدم پکڑے

[4] ۔ دوسرا مصرعہ رسالہ اردو میں یوں ہے ۔ اونے بیش دستی کا خراباتی الم پکڑے۔

متفرق[1]

(۳۱)

ہمیں ہیں بِرھنی باؤل پیے ہیں مے محبت کا
نہ کہہ ناصح نصیحت مجہ نہیں حاجت نصیحت کا

نہ ہمنا تسک جہنم کا نہ جنّت کی طمع دھرتے
ہمیں طالب ہیں خوباں کے فراقی ہو جہاں پھرتے

ہمارا طور یکساں نیں کبھیں خنداں کبھیں گریاں
کبھیں دل کیا کریں سیخاں کبھیں جیو کیاں کریں بریاں

کبھیں مُفتی ہو دیں فتویٰ کہ اُقتل کافر المطلق
کبھیں منصور ہو سر مست کہادیں آپ انا الحق

کبھیں وامق کبھیں عذرا کبھیں مجنوں کبھیں لیلی
کبھیں خسرو کبھیں شیریں کبھیں فرہاد ہو ہو ہی

کبھیں اعلا کبھیں اَدنا کبھیں عالم کبھیں جاہل
کبھیں ہم مُتقی صوفی کبھیں داتا کبھیں سایل

کبھیں سُمدر طمع کے ہیں کبھیں ہت سیپ کے پانی

---

[1] اس نظم میں ہمہ اوست اور وحدت الوجود کے مسئلہ کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔

کبھیں گوہر اتے برسیں نہ برسے ابرِ نیسانی

کبھیں قلاش درویشے کبھیں دولت جو ہم ساجے

کبھیں نرغا کبھیں خالی کبھیں دم دم طبل باجے

کبھیں الوان ہم کھادیں کبھی ٹوکے ملیں رد کھے

کبھیں بھاجی کبھیں پالا کبھیں دن چار کے بھوکے

کبھیں رن بن ہمیں ہنڈیں کبھیں بستی منے سوتے

کبھیں دکھیا کبھیں سکیا کبھیں ہنستے کبھیں روتے

کبھیں بالے کبھیں بوڈے کبھیں سیوک کبھیں سامی

کبھیں گرہو کبھیں چیلے کبھیں پختے کبھیں خامی

کبھیں کنٹھا گلے پہری کبھیں کسوت کری زیبا

کبھیں زر بافتے شامی کبھیں رومی سرنگ زیبا

کبھیں ہت عیش تے دھو کر سو چکسیا خاک کالا دیں

کبھیں حمام غم کے میں نین کے نیر سوں نھاویں

کبھیں ظالم کبھیں مظلوم کبھیں صلحی کبھیں جنگی

کبھیں جھوٹے کبھیں ساچے کبھیں برسی کبھیں بھنگی

کبھیں مطرب کبھیں ساقی کبھیں ناچیں کبھیں گاویں
کبھیں ہربی کبھیں نربی کبھیں بچھناک ہم کھا دیں
کبھیں پنڈا کبھیں بکنی کبھیں ہم دڑ پڑا بیویں
کبھیں قہوہ کبھیں سویا کبھیں بن پوست نا جیویں
کبھیں بازار ہم جا کر پیویں سیندھی کبھیں تاڑی
کبھیں ہم صحبتِ جاناں بیئیں ماڑی اُپر ماڑی
کبھیں ہوتا پڑی تاپیں کبھیں جوگی جٹا دھاری
کبھیں ہو کاپڑی بیٹھیں کبھیں تپسی برھم چاری
کبھیں ہم ماہاتمی ہوئیں کبھیں بھگوان سنیاسی
کبھیں تِرتے کبھیں تِرتا کبھیں لنکا کبھیں کاسی
کبھیں بَھبُوت ہم لادیں کبھیں جِبّا کبھیں رِشملا
کبھیں مانگے نہ ننگ آوے کبھیں پورا کبھیں کملا
کبھیں نانگے پگوں ہنڈیں کبھیں بہلوں کبھیں تازی
رکھے جس حال سوں دُنیا ہیں تس حال پر راضی

کبھیں لگتے رتن جھڑتے کبھیں لعلِ درآمیزی
کبھیں کرتے شکرافشاں کبھیں کرتے نمک ریزی
زہے شوقیؔ تخلص ہے زہے مجمل شعرِ گلگوں
کبھیں شیریں کبھیں تلخی کبھیں مہمل کبھیں موزوں
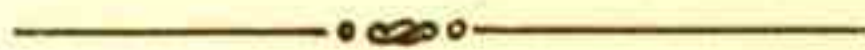
فرہنگ

لفظ	معنی
آپار	بے حد
آپنی	خود
آرتی	آرتھی
آرکا بھارکا	اِدھرکا، اُدھرکا
آڑیاں	ساتھی
آسیاسن	سنگھاسن۔ تخت
آگا	آئے گا
آگلا	اعلیٰ
آگو	آگے
آنیا	لایا
آوتارو	وارد۔ آنے والا
ابتٹ	غلط
ابچھر	پری
ابرش	سرخ وسفید رنگ کا گھوڑا
ابرھن	پیراہن۔ لباس
ابلق	چیت کبرا گھوڑا
آپراں	ادیہ
انپڑنا	ملنا

لفظ	معنی
اُپکار	احسان
آپیں	بذاتِ خود
اِت	اتنے
اتم	اعلیٰ
اتھا	تھا
اتھار	بے حد وسیع۔ بڑھ کر
اُٹنبر	ساماں
اجیت	ناقابل تسخیر۔ سورج
اُجّل	روشن
اچپل	چلبلی
اچیت	مطمئن
ادِک	زیادہ
آدھار	سہارا
آدھر	ہونٹ۔ لب
اذفر	تیز بُو والا
ارابے	بارودخانہ
ارژنگ	نگارخانہ
ارگجا	ایک مرکب خوشبو

آڑ	غرور
استری	عورت
اشٹ	آٹھ
اشقر	سُرنگ گھوڑا
اکاس	آسمان
اکھت	بہت
اکھرتیاں ۔ اکڑتیاں	اکڑتی ہوئی
اگل	زیادہ ۔ سبقت لے جانا
اگل	آگے ۔ سامنے
اگن	آنگن
الک	زلف
الیمانی	جرمنی کا
امولک	بے بہا
انت	انتہا ۔ کنارہ
انجن	سُرمہ
اِندر	اِندر دیوتا ۔ پانی کا دیوتا
اِندرسبا	اِندرسبھا
انڈڑیاں	انڈے
انک	لاتعداد
انمیل	نہ ملنے والا
انوٹھی	انوکھی
اوبرے	اُبھرے
اوبھے (اوبھی)	وہ بھی

اوتبجے	پیدا ہو
اوپرال	اوپر ۔ اوپر کی طرف
اوتاول	عجلت پسند
اوڈگن (اوڈرگن)	ستائے
اہے	ہے
ایتا	اتنا ۔ زیادہ

ب

باپ (پاپ)	گناہ
باج	خراج
باج	بغیر ۔ سوا ۔ علاوہ
باچے	پڑھے
باچنا	پڑھنا
بار	تقسیم
بافتے	سوتی کپڑا
باک (باگ)	شیر
باگل ۔ بگلے	دریائی پرندہ
باگ مار	شیر کو مارنے والا شیر کش
بال کا (بالکا)	بچہ ۔ لڑکا
بالن (بالنا)	جلانا
باتاں	جمع بان کی ۔ تیر
باچیا	پڑھا
باؤ	ہوا
بادل	دیوانے

بُجھی نا	نہ بُجھے گا
بچن پارکی	بات کو پرکھنے والا۔ سخن سنج۔ سخن شناس
بُد	تدبیر۔ تجویز
بدل	لئے، واسطے، وجہ سے، کے سبب
بدل	بادل
بدھاکے	بڑھا کے
بدہوا	آگے بڑھنا
بِدیا	علم
براڑی	ملک براڑ کا بسنے والا
برانا	ویران
برچا	برچھا
بُرد	شطرنج کی اصطلاح
برد	شہرت، کمال، شان، نام
بردنگ، مردنگ	ڈھول کی قسم کا ایک ساز
بزرنخ	(بہ زرنخ) زرنیخ۔ ہڑتال
بران	قوم۔ ذات
برنا	جوان
بڑکا	بزرگ۔ بڑا
بِسالا	زہریلا
بسر	بھول
بشن	وشنو۔ بھگوان کا ایک روپ
بق	مچھر
بکیا	تارتار ہوا
بل	بلکہ
بل	طاقت
بلبندر	بہادر
بلیساں	ایک درخت کا نام
بلناس	بہادروں کو ہلاک کرنیوالا
بلیبنو	ترکی پرکھے کی ایک قسم
بُند	بوند
بندی	غلام
بنڈے	ایک سواری کا نام
بنکل کے	بن کھل کے
بُوڑے	ضعیف
بومٹری	شور
بھاجی	ترکاری
بھار	باہر
بھار	بہار
بھاس	بھاشا۔ بولی
بھان	سورج
بھانڈے	بھانڈ۔ ایک قوم
بُھجبل	زور بازو
بھرتری	بھگوان
بھکسن	فقیرنی
بِھکشن	بچاری

لفظ	معنی	لفظ	معنی
بھکّن	فقیر	پاڑ پاڑ	ٹکڑے ٹکڑے
بھگونت	بھگوان	پاڑنا	اکھاڑنا۔ ڈھانا
بہلوں	بیل گاڑی	پاڑیا	پھاڑا
بھنڈار	خزانہ۔ ذخیرہ	پاکھاں	پتھر
بھنگراج	بیل کنٹھ (ایک پرند)	پاوک	آگ
بھنگی	بھنگ پینے والے	پایدل	پیدل
بھنور	بھونرا	پُتر	پتا
بہونگ	کالا سانپ	پتیاؤ	بھروسا
بہونگ	سیاہ	پتی ورت	شوہرپرست۔ وفادار نیک عورت
بُھوئیں	زمین	پٹن	بستی
بہی	چلی	پچھیں	(پیچھے) اس کے بعد
بی	بھی		بعد میں
بتیال	ایک جوگی کا نام۔	پراُپکار	دوسرے کے ساتھ بھلائی
	ایک راکشش	پُران	ہندوؤں کی مذہبی کتاب
بیدمال	ویدمالا۔ وید کے اشلوک	پراناں	جمع پران کی۔ جان
بیدڑ	بیدر۔ نام مقام	پُرب	مرد
بیری	دشمن	پرتاب	روشنی
بیس	بیٹھ	پُرس	آدمی
بیگ	جلدی	پرسن	خوشی۔ راضی۔ مدد
پ		پرگٹ	ظاہر۔ پیدا
پاتراں	پاتر کی جمع۔ ناچنے والیاں	پرگھٹ	ظاہر
پاچ	زمرد	پرمل	خوشبو
پارکھا	پرکھا	پرمیس	پرمیشور

لفظ	معنی
پرنار	پرنا رعورت۔ غیرعورت
پرہتم	دنیا
پربے	تعریف
پسار	پھیلا کر
پستک	کتاب
پگوں	پاؤں سے
پنت	رستہ
پنکھ	بازو
پورب	پہلے
پوک	ڈھیر
پولاد	فولاد
پہرنا	پہننا
پھیاے	فوارے
پیٹ	پیٹھ
پیکر (بیگڑ)	گجرات کا بادشاہ محمد شاہ بیگڑ
پیلک	زرد سر والا پرند
پین	پہن
پینیا	پہنا

ت

لفظ	معنی
تاپڑی	جوگی
تافتے	کپڑے کی ایک قسم
تپسی	عابد
تٹ	کنارا۔ فصیل
تدبھاں	تب
ترت	تیرتھ
ترُی	گھوڑا
تشریف	لباس۔ خلعت
تکٹے	چھپے ہوئے
تلبتل	لمحہ بہ لمحہ
ترلوک	تینوں جہاں
ترلیک	تینوں جہاں
ترِل	ایک پہاڑ کا نام جو آندھرا کے علاقہ میں واقع ہے
ترنا	جوان مرد
ترنگ	گھوڑا
ترنے (ترنی)	جوان عورت
ترواریے	شمشیر زن
ترور	درخت
ترِس	تیس
تغابن	غرور
تفات	تفاوت۔ فاصلہ۔ فرق
تکٹے	چھپا ہوا کپڑا
تکثیر	زیادہ کرنا
تل	نیچے
تلملیا	بیتاب ہوا۔

تلنگ کار	سوار
تمری	املی کی
تمن	تم
تنبتی	کھڑکی، دریچہ
تنت	تار، تانت
تنک نان	پتلی روٹی
تھانب	ستون
تھم	زمین
تے	سے

ٹ

ٹوکے	ٹکڑے
ٹھاڑے رہے	مستعد ہے، جمے ہے
ٹھانوں	جگہ۔ ٹھکانا۔ مقام

ج

جالن لگے	جلانے لگے
جالے	جال، دام، پھندا
جاوتا رو	جانے والا مسافر
جاوی	جانے کا
جٹ	جاہل
جٹا	سر کے لمبے بال
جڑت	جڑاؤ مرصع زیورات وغیرہ
جَس	فتح
جُس	توفیق
جغرات	دہی
جگاجوت	روشنی
جگ جینت	فاتح عالم۔ نام ہاتھی
جگ دیو	رہبر عالم۔ خدا
جل منجھار	پانی میں
جمجا (جمجاہ)	صاحب شان بلند
جمیلے	جے میلے
جنگماں	سیلانی سادھو
جَن	آدمی
جنن	جن
جنبو	نام جزیرہ
جوبن	سینہ
جوت	روشنی
جوسی	جوتشی
جوکے (جوگی)	سنیاسی۔ سادھو
جونگ	جب تک
جیتا	جتنا
جیتیاں	جتنی
جیتل	ایک سکہ

چ

چالسی	چبائے گا

چتل	ایک جانور
چٹ	آسیب۔ سایہ
چڑی	چڑھی
چڑیاں	چڑھیں
چک	آنکھ
چُک	کچھ
چلنت	چلن۔ عادت
چندر جوت	چاندنی
چندرما	چاند
چنگم	سیلانی سادھو
چنگیاں	چنگاریاں
چُوا	ایک خوشبو کا نام
چوا	سیاہ کبوتر۔ کبوتری
چوکھی	چوکی
چوندھیر	چاروں طرف
چھانٹتے	چھڑکاؤ کرتے
چھتنہ دار	چھتر والا
چیر	اوڑھنی۔ پلو۔ دوپٹہ
چیک	وہ پانی جو گیلی لکڑی کے جلنے میں نکلتا ہے
چینی	چین کا

ح

حاجب	سفیر
حبشی جنی	حبش کی اولاد

خ

خُتلی	ولایت ختلان کا گھوڑا
خرس	ریچھ
خنگاں	سفید گھوڑا، مائل بہ سبزی
خَوَرنَق	(محل کا نام) قصر نعمان بن منذر بادشاہِ عرب
خُوک	سُؤر

د

دارکا	دوارکا
داین	ڈاین
دبیرا (دبیرآ)	دبیرآکر
ڈٹاویں	خوف زدہ کریں
ڈٹایا	ڈرایا
دُراجاں	تیتر
درپن	آئینہ
دُرجن	بُرا آدمی
دڑبڑا	پریشان کیا
درسن	درشن، ملاقات
درنگ	توقف
دُروتی	باطن
دساسیر	دس سروالا۔ راون
دسہرا	دسہرا
دسن	دانت

لفظ	معنی
دِسیا	معلوم ہوا
دشٹ	نظر
دکال	قحط، کال
دماتا	نشے میں
دیپو	نام جزیرہ
دندی	دشمنی
دنڈل	ڈنٹھل
دُوتن	چغل خور
دُوجی	دوسری
دوہڑے	دوہرے
دھات	طرح۔ مثل
دُھر	جگہ
دھرت	زمین
دھرتی	زمین
دھرن ہار	دھرنے والا
دھنور	دھنواں
دھوپ	خوشبو
دھوجنہ۔ دُھوجنا	لرزنا۔ کانپنا
دھوکیا	حملہ کردیا
دھولارا	غبار۔ دُھول
دھیٹ	ڈھیٹ بے شرم
دیّا	مالک۔ مہربانی کرنے والا۔ مجازاً خدا
دیّانی	مہربان۔ دیالو۔ خدا
دیپ	چراغ۔ دیا
دیپال	بھگوان
دیٹھا	دیکھا

ڈ

لفظ	معنی
ڈاکن	ڈاکو
ڈھکارہ	ڈھیر
ڈُلتا	جھومتا
ڈونگر	پہاڑ
ڈہنگلے	ڈھیر

ذ

لفظ	معنی
ذابلی	ذابل شہر کے

ر

لفظ	معنی
راج	بادشاہ
راجوَٹ	حکومت
رازی	راضی
راس	ڈھیر
راک	راکھ
رامش گراں	گویّے
رانویں	طوطا
راوت	بہادر
رائے زن	مشیر
رایل	راجا

رتڑے	سرخ
رتن	جواہر
رتن پارکی	رتن یعنی جوہر پارکی یعنی پرکھنے والا۔ جوہر شناس
رتن جڑت	موتی جڑی ہوئی
رجل	انسان
رخت	حکمت
رسالی	رسیلی
رسن تاب	ڈوری کھینچنے والے
رکت	خون
رکسن	راکشس
رکھپال	رکھوالا۔ محافظ
لرے	ریلے
رمنا	کھیل۔تماشہ
رن دِھیر	مرد میدان جری سورما
روپیرے	روپہلے ۔ نقرئی
رہن ہار	رہنے والا
ریب	شک

ز

زراین	زیور
زرینا	زیور
زلیبیاں	جلیبی
زنگبار	ایک ملک کا نام

س

سار	تلوار۔لوہا
سارتی	ساتھی ۔نگہباں
سارکار	تلواریہ ۔تلوار چلانے والا۔
سارکی	طرح کی
سارگن	صفت والا
ساک (ساگ)	گھاس
سامی	آقا
سانگڑا	برچھی
ساو	شاہ
ساوری	ایک دریا کا نام
سبزک	نیل کنٹھ
سُتاراں	بڑھئی
سٹیا	گرادیا۔ ڈال دیا
سٹیاں سیاں	(سنیاسیاں)
سجنجل	آئینہ
سُد	(سُدھا) عقل
سراچے	بڑا خیمہ
سُرخک	لال پرندہ
سرک	سرگ
سرلوک	عالم بالا
سرو	سب۔تمام

سروپ — خوبصورت — سور — سورج
سرور — تالاب — سُورنگ — خوش رنگ
سریا — ختم ہو گیا — سُوسمار — ایک جانور
سریجن — محبوب — سُوکا — سرمے کی لکیر
سڑیاں — سیڑھیاں — سُوں — قسم
سفرا — دسترخوان — سوندل — لڑائی
سُک کرن — سُکھ کرنیوالا — سونسار — سنسار ۔ دنیا
سکھیاں — سکھی ہیں — سُہتا — مرغوب
سگل — تمام — سیام — کالا
سلح پوش — ہتھیار بند — سیر — سر
سلکھن — خوش اطوار — سیس — سر ۔ چاند
سماد — سمادھی — سیس پھول — ٹیکا
سمدُر — سمندر — سیوتا — خدمت گار
سُمرن — عبادت ۔ وظیفہ — سیوَک — خادم
سمک — مچھلی

ش

سُنا — سونا — شانی — شان والا
سنگات — ساتھ ۔ ہمراہ — شجات — شجاعت
سنگھ — شیر — شرزا — شیر
سنمُک — مقابل — شست — دنیا
سُنے — سونا — شصت — ساٹھ
سنہرے — سنہرے — شلنگی — کود پھاند کرنیوالے
سوا لاکے — سوا لاکھ

ص

سوتر — رشتہ ۔ تعلق — صُبا — صبح

ط

طناب	خیمے کی رسّی

ع

عُزارا	گال

ف

فام	فہم
فر	شان وشوکت
فرادیز	سنجاف

ق

قُلّتین	مُونگ

ک

کابل	نام مقام
کاپڑی	کپڑے والا
کات	کتھ
کاٹھی	لکڑی
کاڑ	نکال کر
کاڑی	تیلی
کاسی	کاشی۔ بنارس
کال	کالا سانپ، ناگ
کالا	مال ومتاع
کالندری	نام دریا
کانسے	پیلے
کانورد	ایک ملک کا نام۔

	آسام کا علاقہ
کبی	کبھی
کبیسر	شاعر
کتنگ	کتنے
کتنے	کہتے
کجلی	ہاتھی
کدر	کدھر
کدری	نام مقام
کدھی	کبھی
کر	ہاتھ
کرپال	مہربان
کرڑ	مہابھارت کی لڑائی کا ایک مشہور بہادر جو کنتی کا بیٹا تھا
کرڑ	سخت
کرنائے	قرنا
کرن ہار	کرنے والا
کس	طاقت
کیٹ	کثافت۔ میل
کعتبین	پانسے
گگر	کرے
کُل	خاندان
کلا	غمزہ، نازوادا۔ روشنی
کلب	جوان ہاتھی

لفظ	معنی
کلپ	طاقت کی دوا
کلول	شوخی
کملا	ناقص
کُمیت	گھوڑا
کمیتاں	کمیت کی جمع ۔ گھوڑے
	سرخ رنگ کا گھوڑا
کَن	نزدیک
کُنجر	ہاتھی
کنچن	سونا
کنڈل	کُنڈلی
کنک گیر	(کلک گیرا کاتب
کور (گور)	قبر
کوس	نقارہ
کوکم	ایک خوشبو
کول	کوئلہ
کھب کھب	تیج اور بل
کھتَر	خطرہ
کھڑک	تلوار
کھڑگ	تلوار
کھندل	پامال
کھنڈے	ٹکڑے ۔ پارچے
کھوڑ	خرابی
کھوندل	پامال

لفظ	معنی
کھیجانا	شرمندہ کرنا
کے	کئی
گیا	گیا
گیانونتی (گیانونتی)،	عقلمند
کیرے	کے ۔ حرف اضافت
کیسر	زعفران
کیفدان	اگالدان
کیکی	پُتلی
کے گا	کہے گا
کیلی	کُنجی
کیے ۔ کیی	کہے

گ

لفظ	معنی
گھال	ڈال کر ۔ پہن کر
گج	ہاتھی
گرب	غرور گھمنڈ
گِردَر	پہاڑ
گَل	گلا ۔ گردن
گَل پھاڑ	گلا پھاڑنے والا
گلین	گلے
گوبند	بھگوان
گوپال	کرشن ۔ بھگوان
گوکل	گوالوں کا استھان ۔ متھرا
گونڈولنے	ایک ملک کا نام

گھابرے	گھبرائے ہوئے
گھال	ڈال کر
گھٹ	دل
گھڑتکیاں	(گھڑت کیاں) جڑاؤ
گھن گھن	گھونسے کی آواز
گیان ونتا	عقل والا عقلمند
گیہنا	گہنا

ل

لاٹھی	ڈھیر
لاج کر	شرمندگی سے
لاگے	لاگے
لالن	محبوب
لٹ پٹ	لٹنا
لک	لگ
لک لک	لق لق
لکھن ۔ نکل	ارجن بھیم کے بھائی کا نام
لکھن	اطوار ۔ عادت
لوچ کر	دیکھ کر
لوچن	آنکھ
لوڑے	چاہیے
لولنیاں	لولی کی جمع ۔ گانے ناچنے والیاں
لولیاں	طوائف
لون	نمک
لیف	بوریا بستر
لیکھ	لکیر

م

ملتے	مست
مارگ (مارگ)	راستہ
ماڑیاں	بنگلے ۔ بلند عمارت
مال	موتی کی مالا
مان	عزت
مانڈے	چپاتیاں
مانہہ	میں
مجوسی	بت پرست
محافیاں	پالکی وغیرہ
مد	شراب
مدری	نام مقام
مرآتین	دو آئینے
مرکوں	مورکھوں، بے وقوف
مرگ	ہرن
مڑے	(مصدر مڑنا) منڈھا ۔ سجانا
مشک واذفر	مشک اذفر
مقوّلے	گتہ
مکٹ	تاج
مکھند	لائق
نگر	نگر مچھ

لفظ	معنی
ملاقی	ملاقاتی
ملّانا	مولانا
ملک میدان	ایک توپ کا نام
من تھرن	صبر کے ساتھ
مُنجلی	صاف
منجوق	وہ مچھلی جو جھنڈے پر بناتے ہیں
منجھار	بیچ ۔ درمیان میں
مندھر	محل
مندھیر	محل
منڈ	سر
منڈ بھوڑ	سر توڑنے والا
منشیل منیل	ایک قسم کا آتش گیر مادہ
منگل	شادیانے۔ خوشی
منے	میں
موں	مُنھ
مونڈی تل	سر نیچا
مہاجن	بڑے آدمی
میا	محبت
میٹ	ماٹی مٹی
مِیت	میت، دوست۔ ساتھی
میگھ	بادل
میلنا	ملنا
میٹھ بولنیاں	شیریں سخن
میک ڈنبر	شاہی عماری رتھ

ن

لفظ	معنی
نابات	(نبات) مصری۔ مٹھائی
ناباک	بے خوفی
نات	مالک، خاوند
ناٹھے	بھاگ گئے
نارگن	صفت والا
ناسک	ناک
ناسیک	ناسک بمبئی کے قریب ایک شہر کا نام
نال	ساتھ
نائے	قرنا
نباڑ	نبیڑ۔ ختم کرنا
نبیڑے	ختم کرے
نت	ہمیشہ
نٹوے	ناچنے والے
نردھار	بے سہارا
نرک	دوزخ
نرگنی	بغیر صفت کے
نرمل	ایک مقام کا نام
نرملا	نمایاں
نِس	رات
نسدن	رات دن
نس نار	محبوبۂ شب، لیلیٔ شب

لفظ	معنی
نسنگ۔ناسنگ	سنگ۔ساتھ
نغارے	نقارے
نکتے	نکل کر
نکہ	ناک
نلاجی	بے شرم
نلے	آتشبازی
نلے توڑ	کمر توڑنے والا
نوکھنڈ	نو دنیا میں، دنیا کے نو حصے نو آسمان مع عرش و کرسی
نول	عجیب و غریب انوکھا
نوے	نئے
نہکا	نیہہ کا۔ محبت کا
نھنا	ننھا
نیٹ	آخر
نیر	پانی
نیکا	خوبصورت
نینوڑی	بیخام
نیہ	محبت

و

لفظ	معنی
وارتی	قربان
وڈیار	ایک قوم
ولے (ولی)	خدارسیدہ بزرگ
ونس	خاندان

لفظ	معنی
وو	وہ
ویر	بہادر

ہ

لفظ	معنی
ہاڑ	ہڈی
ہانڈے	ایک قوم
ہادی	قریب
ہت	ہاتھ
ہست	ہاتھی
ہمنا	ہمیں
ہموں	ہم
ہنونت۔ ہنوماں	ہوا کا بیٹا
ہوایاں	آتش بازی کی ایک قسم
ہوسی	ہوگا
ہیا	دل
ہیم	سرد موسم۔برف۔سونا

ی

لفظ	معنی
یتا	اتنا
یسا	ایسا
یشم	ایک قیمتی پتھر
یک تل	تل بھر
یکس	ایک
یکناد (ریکناد)	ایک آواز
یلم	نام
یلماں	یلم کی جمع
یلوری (یلورے)	ایلورا۔دکن کے ایک پہاڑ کا نام